در دلِ مُسلم مَقامِ مُصطفیٰ ﷺ است
آبروئے ما ز نامِ مُصطفیٰ ﷺ است

ربِّ عظیم کا بندۂ عظیم

رسولِ اکرم ﷺ

مُرتّب ❁ صدیق حسن ملک

Marfat.com

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ ﷺ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ ﷺ است

ربِّ عظیم کا بندۂ عظیم

(رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

مرتب

صدیق حسن ملک

Marfat.com

297.9921
م 28 ص
245.02

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

انتساب

والدِ محترم مولوی نذیر حسین بٹالوی مرحوم و مغفور

اور

خالو سسر چوہدری نور احمد مقبول مرحوم و مغفور

کے

فیضانِ تربیت

کے نام

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ

ذرۂ آفتابِ تابانیم

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

گزارش

میں ۱۹۸۶ء میں اپنی اہلیہ فردوس کے ساتھ دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کیسے پہنچ گیا اور وہ کونسا جذبہ تھا وہ کونسی میری نیکی تھی جو اُس مقدس اور پاکیزہ در پر مجھے لے گئی۔ ظاہراً تو مجھے اپنے گناہوں کا حال دوسروں سے زیادہ معلوم ہے لیکن آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے سزا دے اور وہ غفور ورحیم ہے اور میں بخشش کی امید لگائے بیٹھا ہوں ورنہ بقول

؎ لوگ کہیں درویش مجھے میں جانوں اپنا آپ

۲ حج کے دوران جو مسائل پیش آئے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک کتابچہ مرتب کیا جو کہ ہر سال حجاج کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اسی دوران میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ جن رسائل، اخبارات اور کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور ان میں جو بھی واقعات، حالات اور ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بارے میں وقتاً فوقتاً نظر سے گزرتے رہتے ہیں اور دل کو بہت اچھے لگتے ہیں ان کو کیوں نہ یکجا کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے واقعات کو جانے بغیر کوئی انسان قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے کہ ہمہ قرآن درشانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا تو یہ عالم ہے کہ قرآنِ حکیم کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اِس نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ
وسلم) پر درود (رحمت) بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی)
ان (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی)

Marfat.com

۴ قرآن حکیم کی وہ آیتِ مبارکہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی سنہری جالی پر لکھی ہوئی ہے۔ اہل ایمان کو خالقِ کائنات کی نظر میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو اس طرح بیان کرتی ہے:

''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی آواز سے اونچا نہ کرو۔''

- گویا رب العالمین اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کو بھی پسند نہیں فرماتے۔ مرزا اسداللہ خاں غالبؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو نہایت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

؎ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است!

- کاش میں بھی اس زمانہ مبارک میں ہوتا کہ جس کیلئے علامہ محمد اقبالؒ نے کہا تھا۔

''خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا''

اور اصحاب صفہؓ کے قدموں میں بیٹھتا۔ یہ اصحابؓ صفہ کون لوگ ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ لوگ جنتی ہیں'' ایک چھپر تلے پڑے ہیں، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے رسول سے دین سیکھ رہے ہیں اور سب سے بڑی بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلسل دیدار کر رہے ہیں، بس اِن کا اتنا ہی کام ہے۔

''خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا''

۵ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا طرۂ امتیاز عدل و اعتدال ہے ورنہ انفرادی اور اخلاقی اقدار جو ہیں وہ تو سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاں بھی کسی میں کوئی کسی میں کوئی اپنے پورے عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ مثلاً زہد و توکل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام، زہد و ورع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، صبر میں حضرت ایوب علیہ السلام، استقامت میں حضرت نوح علیہ السلام اور تسلیم و رضا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنی گردن خود رکھ دینا

Marfat.com

کہ چھری چلا دیجئے ابا جان۔ اس سے آگے اور کون سے مقامات ہو سکتے ہیں۔ یہ جو مختلف اقدار ہیں وہ پہلی امتوں میں بھی اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ اب اصل میں ضرورت تھی ایک گلدستے کی جس میں ان تمام اقدار اور اخلاقیات کو سجا دیا جائے اور سمو دیا جائے اور اِن میں ایک توازن اور اعتدال ہو اور یہی توازن، اعتدال اور جامعیت اصل کمال ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے اِن تمام اقدار کو بتمام وکمال سجا کر آپ کو ایک گلدستے کی صورت میں نبوت اعلیٰ عطا فرمائی۔

؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

٦ کسی شخص کی زندگی میں اس کی زندگی کی قسم اٹھانا اُس زندگی کے عظیم الشان ہونے کا ثبوت ہے۔ ظاہر ہے وہ زندگی قسم اٹھانے والے کے نزدیک بہت پیاری اور بلند و بالا ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی واقعتاً اس قابل ہے کہ اس کی قسم اٹھائی جاتی۔ کیونکہ وہ تمام جہانوں کے لئے مبارک ہے۔ سورۃ الحجر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''تیری حیاتِ طیبہ کی قسم! یہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے۔''

٧ حیاتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا مقدس موضوع ہے جس پر مسلمان محدثین، مفسرین، مؤرخین اور اہلِ علم و دانش نے اس قدر لکھا ہے اور اِس کے ہر پہلو پر لکھا ہے کہ اِس کا مکمل احاطہ ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نگاری پر ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں موجود ہیں۔ پھر یہ بھی کہ اس ضمن میں صرف کسی ایک زبان ہی میں نہیں بلکہ قریب قریب دنیا کی ہر زبان میں لکھا گیا ہے اور لکھنے والوں میں صرف مسلمان ہی نہیں، بہت سے دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی شامل ہیں۔ اس لئے کہ سرورِ کائنات، نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض مسلمانوں ہی کے لئے ہادیٔ برحق اور رحمت نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں تمام جہانوں کے لئے اور تمام جہاں والوں کے لئے۔

٨ اس کتاب کو مرتب کرنے میں یقیناً میری کوئی علمیت کمال یا قابلیت کو دخل نہیں

Marfat.com

ہے اور نہ ہی مجھ میں تصنیف و تالیف کی استعداد ہے کیونکہ میرا علم کم اور عمل کمتر ہے میں نے تو (بشکریہ) مختلف کتابوں، رسالوں، اخبارات اور جرائد کے مطالعہ کے بعد لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف ان گلدستوں سے کچھ پھول چنے اور گلدان میں سجا دیئے۔ اللہ تعالیٰ مجھ ناچیز کے اس عمل کو قبول فرمائے اور حشر کے دن مجھ کو اپنا دیدارِ مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ (آمین)

۹ یہی آرزو اور یہی تمنا اس کتاب کو مرتب و طبع کرنے کا باعث ہے، چونکہ اتنی زیادہ کتابوں اور مختلف جرائد سے استفادہ کیا ہے کہ ان کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن ان سب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اسکے باوجود اگر کسی مقام پر کوئی کوتاہی، یا تبدیلی نظر آئے تو درگزر فرمائیں اور میں صاحب تصنیف سے معذرت خواہ ہوں۔ اگر کسی صاحب علم کو اس کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو وہ اُسکو اپنے علم کی زکوٰۃ کے طور پر درست کر دے۔ میں ان تمام اہلِ علم جنہوں نے اپنے اپنے انداز سے اِن ایمان افروز اور روح پرور واقعاتِ مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت کیا ہے، ان سب کے لئے خیر و برکت کی دعا کرتا ہوں اور جو یہ جہاں چھوڑ گئے ہیں ان کی مغفرت اور بخشش کیلئے دعا گو ہوں۔

۱۰ میں ذکر کرنا چاہوں گا اپنے خالو سسر محترم جناب چوہدری نور احمد مقبول صاحب کا جنہوں نے اس کتاب کے مسودے کو دیکھا، اس میں اپنے دست مبارک سے کچھ تبدیلیاں کیں اور نہایت مفید مشوروں سے نوازا، محترم خالو صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیتؓ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ سے نہایت محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور آپ تقریباً ۱۲ دینی کتابوں کے مصنف تھے، اُن کی آخری کتاب ''تاجدارِ کربلا'' وفات کے بعد شائع ہوئی۔ آپ اگست ۲۰۰۷ء میں عمرے کے لئے تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں ہفتے کے دن ۲۵ راگست کو نمازِ فجر کے بعد نیند کی حالت میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اُسی روز مسجد نبوی میں ظہر کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔

۱۱ میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں اپنے مخلص اور مہربان دوست محترم جناب محمد صحبت

Marfat.com

خان کوہاٹی صاحب، محترم جناب اسد الرحمٰن فاروقی صاحب، محترم جناب سید غلام حسین شاہ صاحب اور محترم جناب میر محفوظ علی صاحب کا کہ انہوں نے کتاب پر ناقدانہ نظر ڈالی اور مجھے اپنے بیش بہا مشوروں سے نوازا۔ میں اپنے پبلشر محترم جناب حافظ محمد عابد صاحب کا بھی بہت ممنون ہوں کہ کتاب کی طباعت میں جو دقتیں پیش آتی ہیں، اُن کے باوجود وہ میرے ساتھ ہر وقت خوش خلقی اور تحمل سے پیش آتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اور ان کے اہل خانہ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

۱۲ اس تمام کام میں مجھے میری اہلیہ کی بہت مدد حاصل رہی اللہ تعالیٰ اس کو بھی اجر دے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی محبت جو اس کے دل میں ہے وہ ہمارے خاندان کی بخشش کا ذریعہ بنے۔ آمین

۱۳ تمنا ہے کہ یہ کتاب خدائے ذوالجلال والاکرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس واعظم میں قبولیت کا شرف پائے اور ہم سب کو ذکرِ رسول، فکرِ رسول اور محبتِ رسول سے منور کرے اور ہمارے والدین کی بخشش کا ذریعہ بنے۔ آمین

۱۴ یہ کتاب نہیں بلکہ ایک ہدیہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں۔ فروخت کے لئے نہیں ہے۔

صدیق حسن ملک

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمَانِ ربُّ الْعَالَمِین

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں

(سورۃ الفتح، آیت: ۲۹)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمانِ ربُّ العَالَمِین

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النَّبِیّین ہیں۔

(سورۃ الاحزاب، آیت: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمَانِ ربُّ الْعَالَمِیْن

اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے

(سورۃ الانبیاء، آیت: ۱۰۷)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمَانِ ربُّ العَالَمِین

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اِس نبیؐ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود (رحمت) بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی) ان (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔ (سورۃ الاحزاب، آیت: ۵۶)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فرمانِ ربُّ العالمین

اور بے شک اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں (سورۃ القلم، آیت: ۴)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمَانِ ربُّ العَالَمِین

جس نے اِس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی
دراصل اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

(سورۃ النساء، آیت: ۸۰)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمانِ ربُّ العالَمِین

یقیناً رسول (ﷺ) کی حیات پاک میں تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) پیش کر دیا گیا ہے

(سورۃ الاحزاب، آیت: ۲۱)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمانِ ربُّ العٰلمِین

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے (سورۃ آل عمران، آیت: ۳۱)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فَرمَانِ رَحمَةٌ لِّلعَالَمِینْ

مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے
جو حسن اخلاق میں سب سے زیادہ ممتاز ہے

(حدیث مبارک)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

فرمانِ رحمۃٌ للعالمین

تم میں سے جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہے وہ مجھے
سب سے زیادہ عزیز ہے (حدیث مبارک)

Marfat.com

قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے
(ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است
(اسد اللہ خاں غالب رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

رب جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی اور مکمل شکل میں دے دیئے۔

اب

انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس و اعظم کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جس کو دیکھ کر ہر خبیر و بصیر پکار اٹھتا ہے۔

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دَیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ ﷺ رَو

اس دنیا میں اگر اپنا مقام چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا دل باندھ لو۔ اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نقشِ قدم پر چلو۔

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نر سیدی تمام بولہبی است

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں تک اپنے آپ کو پہنچا دو کہ دین کل کا کل انہیں کے دَم سے ہے، اور اگر تم وہاں تک نہیں پہنچ پائے تو تمہاری تمام تگ و دو ابولہبی ہی ہے۔

Marfat.com

(حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

اسوۂ حسنہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (قرآنِ حکیم)

''ہم جہالت وضلالت کے قعر میں گرے ہوئے تھے۔ بت پرستی ہمارا کیش و آئین تھی۔ ہم مردار کھاتے اور فحش بکتے تھے۔ کوئی وصفِ انسانی ہم میں باقی نہ رہا تھا۔ اتنے میں خدا نے ہمیں میں سے ایک شخص پیدا کیا جس کی شرافتِ نفس، صدق و امانت اور صفائے باطن ہم پر خوب آشکار ہے۔ اس نے ہم کو توحید ایزدی کی دعوت دی، بت پرستی سے روکا اور راست گفتاری کی تلقین کی۔ اُس نے ہم کو نصیحت کی کہ امانت میں خیانت نہ کرو، ابنائے جنس سے بہ رحم و رفق پیش آؤ، حقوق ہمسائیگی کی نگہداشت کرو، عورتوں کو برا نہ کہا کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ اور گناہوں سے بچے رہو۔''

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں)

Marfat.com

(حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

یہ ہے وہ مبارک نام جو ہر روز کروڑوں لبوں پر آتا اور کروڑوں دلوں کوسرور و تازگی سے مالا مال کرتا ہے۔ ہمارے یہ لب اور ہمارے یہ دل اسی نام سے چودہ سو برس سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔ یہی نہیں، لبوں اور دلوں کی یہ بہرہ مندی قیامت تک جاری رہنے والی ہے۔

Marfat.com

آقائے نامدار فخر موجودات احمد مجتبیٰ خاتم النبین والمرسلین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے بالعموم اور ہمارے بالخصوص سب سے بڑے محسن ہیں آپ ہی نے انسانیت کو ضلالت اور گمراہی سے نکال کر راہ حق پر چلایا۔ آپ نے دین اسلام پھیلانے کے سلسلے میں بڑی بڑی اذیتیں اور مصیبتیں جھیلیں۔ آپ کو مال و متاع اور جاہ و منصب کا لالچ دیا گیا مگر آپ نے اسے ٹھکرا دیا۔ آپ دنیا کی عظیم ترین شخصیت ہیں اور کوئی بھی انسان آپ سے بڑھ کر پیدا نہیں ہوا۔ آپ رہتی دنیا تک عظیم ترین انسان رہیں گے۔

؎ رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار اعلیٰ ترین کردار تھا اور ایسا کردار کبھی دوبارہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم سچے دل سے حضور پر ایمان لائیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی سمجھیں۔ جہاں تک ہو سکے حضور کی اطاعت کریں اور آپ کے نقش قدم پر چلیں۔ حضور سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اسوہ حسنہ کو زیادہ سے زیادہ اختیار کریں اور بحکم خداوندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود و سلام بھیجیں۔

۳ اس ذاتِ اقدس و اطہر کی سیرت طیبہ پر نگاہ ڈالیے اور پھر سوچیے کہ کیا دنیا میں کوئی اور انسان بھی ہے جو اتنے بلند مقام پر کھڑا، انسانیت کو اس معاشرہ کی طرف دعوت دے رہا ہے جسے برگسان جیسا صاحب فکر، مثالی معاشرہ قرار دیتا ہے۔ ہر چند وہ ذات گرامی ﷺ اپنے عظمت مقام کے لئے انسانی تائیدات و سندات کی محتاج نہیں، لیکن جسے اس قسم کی تائید اور سند درکار ہو، وہ اس باب میں ایک غیر مسلم مؤرخ کی شہادت سن لے اور خود دیکھ لے کہ جنہوں نے اس بے مثال سیرت کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا ہے، وہ اس باب میں کس نتیجہ پر پہنچے ہیں LAMARTINE لکھتا ہے:

''دنیا میں کسی انسان نے برضا و رغبت یا طوعاً و کرہاً محمد ﷺ کے نصب العین سے بلند نصب العین اپنے سامنے کبھی نہیں رکھا۔ یہ

Marfat.com

نصب العین عام انسانی سطح سے بہت بلند تھا۔ یہ نصب العین کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو توہمات کے پردے حائل ہو چکے تھے انہیں ایک ایک کر کے اٹھا دینا اور اس طرح خدا کو انسان کے سینے میں سمو دینا اور باطل خداؤں کے ہجوم میں ایک منزہ خدا کا مقدس اور معقول تصور پیش کرنا۔ آج تک کبھی کسی انسان نے اس کی ہمت نہیں کی کہ اس قسم کے عظیم الشان کام کا بیڑہ اٹھائے جو اس طرح انسانی مقدرت سے باہر ہو اور اس کے ذرائع اس قدر مسدود ہوں...... اس فقدان ذرائع کے ساتھ آج تک کبھی کسی انسان نے دنیا میں اس قسم کا عظیم اور مستقل انقلاب پیدا نہیں کیا۔ وہ انقلاب جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دو سو سال کے اندر اندر اسلام عملاً اور اعتقاداً تمام عرب پر حکمرانی کر رہا تھا اور اس نے خدا کے نام پر ایران، خراسان، مغربی ہندوستان، شام، مصر، حبش، شمالی افریقہ کا تمام وہ علاقہ جو اس وقت تک معلوم ہو سکا تھا، نیز بحر روم کے متعدد جزائر اور ہسپانیہ تک کو فتح کر لیا تھا۔''

- بہت بڑا مفکر، بلند پایہ خطیب، پیغامبر، مقنن، سپہ سالار، تصورات و معتقدات کا فاتح، صحیح نظریہ حیات کو علیٰ وجہ البصیرت قائم کرنے کا ذمہ دار، اس نظام کا بانی جس میں باطل خدا ذہنوں تک کی دنیا میں بار نہ پا سکیں، بہت سی دنیاوی سلطنتوں اور ان کے اوپر ایک آسمانی بادشاہت کا بانی، یہ ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
- ان تمام معیاروں اور پیمانوں کو اپنے ساتھ لے آؤ جن سے انسانی عظمت و بلندی کو ماپا اور پرکھا جا سکتا ہے اور اس کے بعد ہمارے اس سوال کا جواب دو کہ:

کیا دنیا میں ان سے بڑا انسان بھی کوئی ہوا ہے؟

(Lamartine - Historie De La Turquie Vol - II pp.276-277)

- لیمرٹین کے یہ الفاظ ایک چیلنج کا درجہ اختیار کر گئے ہیں اور قیامت تک یہ ممکن نہیں

Marfat.com

کہ اس چیلنج کا کوئی جواب دے سکے۔ یہ ہیں مشاہیر عالم کی وہ تاریخی اور ناقابل انکار شہادتیں جو علم و تاریخ کی دنیا میں شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہیں۔ اور بہانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ نوعِ انسانی کی عالمگیر اور عالم آراء قیادت کا جو شرف حضور رسالت مآب کو نصیب ہوا، تاریخ اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست

رحمۃً للعالمینی انتہاست

اور ان تمام انسانی شہادتوں سے بلند شہادت، کہ جس سے بلند تر شہادت اور کوئی نہیں ہو سکتی، خود خالق کائنات کی شہادت ہے جس نے فرمادیا کہ:

بے شک اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔ (سورۃ القلم، آیت ۴)

انسانیت کی معراج کبریٰ اور شرف اعلیٰ کا یہی وہ مقام ہے جس کے پیش نظر خدا اور اس کے فرشتے اس ذات گرامی ﷺ پر ہزار تحسین و تبریک کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

● جس دن، انسانی ہیئت اجتماعیہ نے اس ذاتِ گرامیؐ کی حیاتِ طیبہ کو اپنے سامنے بطورِ نمونہ (اسوۂ حسنہ) رکھ لیا، یہ دنیا جنتِ ارضی میں تبدیل ہو جائے گی۔ دیکھیں کہ اقوامِ عالم میں یہ سعادت سب سے پہلے کس کے حصہ میں آتی ہے۔

وہ خوش نصیب ہیں ان کے لئے اچھا انجام ہے۔ (سورۃ الرعد، آیت ۲۹)

بشرطیکہ وہ قوم ان شرائط کو پورا کر دے جو اس شعر میں علامہ اقبال نے بیان کی ہیں۔

؎ سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

۴ عرب کے شہر مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے سردار عبدالمطلب تھے، جن کے دس نامور بیٹے تھے۔ ایک بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ عبدالمطلب نے ان کا نکاح حضرت آمنہ کے ساتھ کیا جو قریش کے قبیلہ کی ایک شاخ بنی زہرہ کی عزیز ترین بیٹی تھیں۔ نکاح کے تھوڑے

Marfat.com

دنوں بعد حضرت عبداللہ نے تجارت کی غرض سے مکہ سے ملکِ شام کا سفر کیا۔ راستہ میں مدینہ میں جہاں اُن کا ننھیال تھا بیمار ہو کر ٹھہر گئے اور وہیں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے چند مہینوں کے بعد پیر کے دن صبح کے وقت ۲۰/اپریل ۵۷۱ء میں حضرت آمنہ کے بطنِ مبارک سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ یہ وہی سال تھا جس میں یمن کے بادشاہ ابرہہ نے ہاتھی لے کر خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے لئے مکہ پر چڑھائی کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھی اور اس کی فوج کے بڑے حصہ کو عذاب سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

• حضرت عبدالمطلب اپنے اس پوتے کی پیدائش کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ عرب کی رسم کے مطابق ساتویں دن حضور ﷺ کا نامِ نامی محمد (ﷺ) رکھا (پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی پاک کا ایسا نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا) یہ نام خود ہی بتا رہا ہے کہ میں اُس عظیم ترین انسان کا نام ہوں جس کی نعت و ستائش اور توصیف ارض و سماء پر واجب قرار دے دی گئی ہے۔

• آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے ان کی والدہ نے دودھ پلایا۔ پھر ثوبیہ دودھ پلانے لگیں، جو آپ کے چچا ابولہب کی باندی تھیں۔ اس زمانہ میں مکہ کے سرداروں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو دیہاتی اور بادیہ نشین قبیلوں کی عورتوں کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کیلئے سپرد کر دیتے تھے تاکہ ان کے بچے بدوی گھرانوں اور کھلے بیابانوں میں پل کر توانا اور تندرست ہوں اور عرب کی خصوصیات اور خصلتیں ان میں محفوظ رہیں اور فصیح عربی زبان سیکھیں اس دستور کی وجہ سے ہر سال دو مرتبہ مکہ میں اردگرد کے دیہاتی قبیلوں کی عورتیں آیا کرتی تھیں۔ اور قریش کے رؤسا اپنے بچوں کو ان کے حوالے کر دیتے تھے۔

• آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے کچھ دنوں کے بعد قبیلہ بنی سعد کی کچھ عورتیں بچوں کی تلاش میں مکہ آئیں۔ ان میں ایک عورت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ گھر پہنچ کر ان کو اپنی ہر چیز میں برکت نظر آنے لگی۔ اس لئے اس بچہ کے ساتھ بہت پیار اور محبت کرنے لگیں۔ ان کی ایک بیٹی کا نام شیماء تھا۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت انس تھا اور وہی آپ کا خیال

Marfat.com

رکھتی تھیں۔ تقریباً پانچ سال آپ کی پرورش قبیلہ بنی سعد میں حلیمہ سعدیہ کے گھر میں ہوئی۔

- بنی سعد کا قبیلہ فصاحت میں مشہور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب سے اچھی عربی بولتا ہوں کیونکہ ایک تو میں قریشی ہوں دوسرے میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ حلیمہ سعدیہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ کافی عرصے کے بعد جب وہ مکہ میں آئیں تو آپ میری ماں، میری ماں، کہہ کر اُن سے لپٹ گئے اور چالیس بکریاں اور اونٹ عطا کئے۔ حضرت حلیمہ بھی اسلام لائیں۔ اور ان کے شوہر حارث بھی مسلمان ہوئے۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ وہی مہربانی اور سلوک کرتے تھے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا۔
- جنگ اوطاس میں جب نبی سعد کے لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے تو ان میں حضرت حلیمہ کی بیٹی شیماء بھی تھیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ میں تمہارے رسول کی بہن ہوں۔ لوگ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ شیماء نے بچپن کے کچھ واقعات آپ کو سنائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں محبت کی وجہ سے آنسو بھر آئے۔ اُن کے بیٹھنے کے لئے خود اپنی چادر بچھائی اور دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر اونٹ اور بکریاں دے کر عزت و اکرام کے ساتھ ان کو ان کے گھر پہنچا دیا۔ شیماء اور اس کے بھائی عبداللہ دونوں اسلام لائے۔
- حضرت ثوبیہ جو ابولہب کی باندی تھیں اور جنہوں نے آپ (ﷺ) کو چند روز دودھ پلایا تھا ان کے لئے ہر سال مدینہ سے انعام اور جوڑا بھیجتے تھے، جب وہ انتقال کر گئیں تو دریافت فرمایا کہ ان کا کوئی وارث ہے، معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔
- آنحضرت ﷺ کی والدہ کبھی کبھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ اپنے شوہر کی قبر پر زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں سے واپس آ گئے تو ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ مدینہ میں وہ بیمار ہو گئیں اور واپسی کے وقت مقام ابواء میں پہنچ کر انتقال ہو گیا اور وہیں دفن کی گئیں۔ اس سفر میں اُم ایمنؓ بھی ساتھ تھیں

جو آپ کی دایہ تھیں۔ آنحضرت کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی مگر بہت سی باتیں مدینہ کی یاد رہ گئیں تھیں۔ جب آپ تقریباً باون (۵۲) سال کی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ایک بار محلہ بنی عدی میں گزر ہوا۔ لوگوں سے فرمایا کہ اس مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں اور یہ وہ تالاب ہے جس میں مَیں نے تیرنا سیکھا تھا اور اس میدان میں ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا جس کا نام انیسہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق جب بھی آپ ﷺ ابواء سے گزرتے تو آپ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لاتے اور اِس موقع پر آپ کا دل بھر آتا۔

- آپ ﷺ کی والدہ کے انتقال کے بعد حضرت عبدالمطلب آپ کو اور بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ وہ بے حد محبت کرتے تھے۔ کعبہ کے سایہ میں ان کیلئے فرش بچھایا جاتا تھا، ان کے بیٹے ادب سے اس کے کنارے بیٹھتے تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب آتے سیدھے فرش پر اپنے دادا کے پاس چلے جاتے۔ ان کے چچا ان کو پکڑ کر کھینچتے کہ اپنے برابر بٹھائیں۔ عبدالمطلب فرماتے کہ نہیں، اس کو چھوڑ دو، میرے اس بچہ کا مزاج شاہانہ ہے اور اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔ پھر ان کو اپنے پاس بٹھاتے اور محبت سے آپ کے جسم مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور بروایت ابن سعد وہ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے اور پوتے کو بلانے کا حکم دیتے تھے۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تندرستی، قوت، شکل اور خوش مزاجی کے لحاظ سے اپنے ہم عمر بچوں میں ممتاز تھے اس لئے نہ صرف گھر کے لوگ بلکہ ہر شخص آپ سے محبت کرتا تھا۔ جب آٹھ سال کے ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب جن کی عمر بیاسی (۸۲) سال کی ہو چکی تھی وفات پا گئے۔ اُن کا جنازہ اُٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ ساتھ روتے ہوئے جاتے تھے۔
- حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ، ابوطالب اور زبیر تینوں ایک ماں سے تھے جن کا نام فاطمہ مخزومیہ تھا۔ اس وجہ سے حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پرورش کے لئے آپ کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب کے سپرد کیا۔ وہ آپ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور نہایت محبت اور پیار سے پرورش کرتے تھے۔ خود اپنے بچوں سے بھی زیادہ آپ کا خیال رکھتے تھے۔ سوتے تو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

● قریش کا قبیلہ تجارت کا کاروبار کیا کرتا تھا۔ دستور تھا کہ سال میں گرمی کے موسم میں تجارت کی غرض سے ان کا قافلہ ملکِ شام جاتا تھا اور سردی کے موسم میں یمن۔ اس طریقے سے وہ ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں لے جا کر فروخت کرتے تھے اور نفع کماتے تھے۔ یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا اور اسی سے وہ خوشحال تھے۔ ایک بار حسبِ دستور حضرت ابوطالب قریش کے قافلے کے ساتھ شام کے سفر پر جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے۔ اہلِ قریش جب ملکِ شام کے مشہور بازار بُصریٰ پہنچے تو وہاں ایک راہب نے جس کا نام بحیرا تھا ان لوگوں کو اپنی خانقاہ میں ٹھہرایا۔ اس کی نظر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو ابوطالب سے کہا کہ تم جس قدر جلد ممکن ہو اس بچہ کو اپنے وطن واپس لے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی یہودی ان کو دیکھ لے اور نقصان پہنچائے کیونکہ آسمانی کتابوں میں آخری پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی ہیں وہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوطالب فارغ ہوتے ہی فوراً آپ کو مکہ واپس لے آئے۔

● آپ کی قوم بتوں کو پوجتی تھی، مگر آپ نہ کبھی ان کی عبادتوں میں جاتے تھے نہ ان پر چڑھائی ہوئی کوئی چیز کھاتے تھے اور نہ ان کی مشرکانہ رسموں میں شریک ہوتے تھے، غرض جاہلیت کی ہر قسم کی برائیوں سے اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ آپ شروع ہی سے اپنے عادات اور اطوار کی وجہ سے مکہ کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز بچے تھے اور پھر آپ کی عمر جس قدر بڑھتی گئی، آپ کی نیکی، سچائی اور شریفانہ عادات کی وجہ سے قوم کی نگاہوں میں آپ کی عزت بڑھتی گئی یہاں تک کہ جوان ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سب کو بھروسہ ہو گیا اور ساری قوم آپ کو الصادق اور الامین کے لقب سے پکارنے لگی۔

۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چالیس برس کے قریب ہو چلی اور اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اب تک کے معاملات نے قوم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہنی اور فکری فاصلہ بہت وسیع کر دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ ستو اور پانی لے کر مکہ سے کوئی دو میل دور کوہ حراء کے ایک غار میں جا رہتے۔ یہ ایک مختصر سا غار ہے جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ آپ اس غار میں قیام

Marfat.com

فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ کائنات کے مشاہدے اور اس کے پیچھے کارفرما قدرت نادرہ پر غور فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس ہوگئی۔ اور یہی سن کمال ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہی پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے تو زندگی کے افق کے پار سے آثار نبوت چمکنا اور جگمگانا شروع ہوئے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیاتِ مبارکہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔

۶ دلائل وقرائن پر ایک جامع نگاہ ڈال کر حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کے اس واقعے کی تاریخ معین کی جاسکتی ہے۔ اس تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱رتاریخ کی رات میں پیش آیا۔ اس روز اگست کی ۱۰رتاریخ تھی اور سال ۶۱۰ء تھا۔ قمری حساب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے ۲۲ دن تھی۔ (الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری)

● ۱۲ستمبر ۶۲۲ء کو جب آپ کی عمر مبارک ۵۱ سال اور ۵ مہینے تھی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ سیرت کی کتابوں میں آپ کے مدینہ منورہ میں آمد کے بارے میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> ''آپ علیہ السلام کے استقبال اور دیدار کے لئے سارا مدینہ امنڈ پڑا تھا۔ یہ ایک تاریخی دن تھا جس کی نظیر سرزمین مدینہ نے کبھی نہ دیکھی تھی...... یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس وتحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے اور انصار کی بچیاں خوشی ومسرت سے ان اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔ "طلع البدر علینا من ثنیات الوداع......'' (الرحیق المختوم)

> ''شہر میں آپ کا استقبال جس جوش وخروش اور جس والہانہ انداز میں ہوا وہ بے نظیر تھا۔ عرب میں نہ اس سے پہلے کبھی کسی کا ایسا استقبال ہوا تھا نہ اس کے بعد ہوا...... بیہقی نے دلائل میں اور ابوبکر المقری صاحب المعجم الکبیر نے کتاب الشمائل میں یہ روایت بیان کی ہے کہ

Marfat.com

عورتیں چھتوں پر چڑھ کر یہ گیت گا رہی تھیں: "طلع البدر علینا من ثنیات الوداع......" (سیرت سرورِ عالم سید ابوالاعلیٰ مودودی)

۷ انسان کی تاریخ کے جس عہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اسے خدا کی ربوبیت کی انتہا کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی موجودہ نشاۃ ثانیہ میں دوسرے آدمؑ قرار پاتے ہیں۔ پہلے آدمؑ کے ساتھ انسان کے شعور کی طفولیت کا آغاز ہوتا ہے۔ درمیانی عرصہ میں اُس نے اپنے سفرِ شعور کی مختلف منازل طے کیں۔ جس میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ بہت نمایاں سنگ ہائے میل ہیں۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد انسانی تہذیبی شعور کی آخری منزل بن جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اعلان پچھلے کسی پڑاؤ پر نہیں سنا گیا جسے رسالت و نبوت کے آخری پڑاؤ پر انسان نے یوں سنا ہے کہ آج سے دنیا بھر کا انسان ایک انسان ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اُس کا خدا ایک ہے۔ لہٰذا عقائد کے تمام دھاروں کو توحید کے ایک ہی سمندر میں جذب ہونا چاہئے۔

۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہرِ تکمیلِ رسالت و نبوت ہونا ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس عظیم الشان دعا کی مقبولیت ہے جو تقریباً چار ہزار سال پہلے اسی مقام پر کی گئی تھی اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

> اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو اُنہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے۔ یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ (سورۃ بقرہ، آیت ۱۲۹)

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر کے جزو سوم میں اس پر ایک خوبصورت بحث کی ہے فرماتے ہیں:

> "انسانی عقل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آنکھ کا نور۔ اور یہ بات واضح ہے کہ آنکھ کے نور سے کامل طور پر فائدہ اُسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے

Marfat.com

جب کہ سورج کا نور بھی پھیلا ہوا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عقلی اور الٰہی سورج کے نور کی طرح ہے۔ جو لوگوں کی عقلوں کو اپنے نور سے تقویت دیتا اور اُن کیلئے اُن عینی اُمور کو ظاہر کرتا ہے جو اس کے ظہور سے قبل پوشیدہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے اُس کلچر کو اپنی معراج پر پہنچانے والے وہ آخری نبیؑ اور رسولؑ تھے جو تمدن کو بھی ہمراہ لے کر چلتے ہیں۔ نظام چلاتے ہیں اور فیصلے کرتے ہیں۔''

۹ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرہ اقدس، قد و قامت، خد و خال، چال ڈھال اور وجاہت کا جو عکس صدیوں کے پردوں سے چھن کر ہم تک پہنچتا ہے۔ وہ بہرحال ایک ایسے انسان کا تصور دلاتا ہے جو ذہانت، شجاعت، صبر و استقامت، راستی، اعلیٰ ظرفی، سخاوت، فرض شناسی، وقار و انکسار اور فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف حمیدہ کا جامع تھا۔ آپ کی وجاہت خود آپ کے مقدس مرتبے کی ایک دلیل ہے۔

۱۰ آپ کے سلسلہ نسب مبارک پر نظر ڈالیں تو شاید ہی دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا بھی سلسلہ نسب اس وضاحت اور صحت کے ساتھ اوراق تاریخ میں دستیاب نہ ہو سکے گا پھر ہر ایک سلسلہ میں نسب کی رفعت شان پر نظر ڈالو کہ ددھیال اور ننھیال اور ننھیال در ننھیال کی ددھیال میں بھی کسی ایک جگہ دہن یا خمود نہ ملے گا۔ یہ شرف صرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جسے ازل الازال میں قدرت ربانیہ نے عالمین پر ممتاز فرمایا اور آدم سے لے کر ذات گرامی تک ہر ایک نسل کی حفاظت خود فرمائی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں۔ (رحمۃ العالمین، جلد دوم، ضیاء النبی، جلد اوّل)

۱۱ آج تک انسانوں نے جن الفاظ میں اور جس طرح آپ کی تعریف کی ہے اس سے ہمارے کان کم از کم آشنا تو ہیں۔ اسی کا بہت قلیل ہی سہی کچھ تو اندازہ ہم کر سکتے ہیں۔ لیکن ذرا غور تو فرمائیں کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اِس نبیؐ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر

Marfat.com

درود (رحمت) بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی) ان (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔

(سورۃ الاحزاب، آیت: ۵۶)

۱۲ آپ پر ایمان لانے والوں نے آپ پر کس طرح درود و سلام بھیجا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ چودہ سو سال سے آج تک اس آسمان کے نیچے کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا ہے جبکہ سینکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں اہلِ ایمان آپ پر مسلسل درود و سلام نہ بھیج رہے ہوں۔ آج بھی آپ کے دربار اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنا ایک عظیم نعمت ہے۔ شاہانِ عرب ہوں یا سلاطین عجم، آپ کے حضور مودّب سلام عرض کرنا اپنی خوش قسمتی سمجھتے رہے ہیں۔ آج درود و سلام کا ایک سیلاب رواں دواں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کس طرح درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے کتنے ہیں جو درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ کیا اس کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے؟ رہا آپ کا مقام بہ حیثیت رسول، تو اس کا ادراک ہو تو کس طرح، جبکہ آپ کا مقام سدرۃ المنتہیٰ سے بھی ماوراء ہے۔ حضرت سیدہ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ایک مبارک شعر کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اے خاتم مرسلین! آپ برکت و سعادت کا وہ سرچشمہ ہیں جس پر قرآن نازل فرمانے والے نے درود و سلام بھیجا ہے۔

۱۳ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر زیبائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ نیابت بھی آپ پر ختم ہوئی۔ رسالت بھی آپ پر ختم ہوئی۔ معرفت بھی آپ پر ختم ہوئی کیونکہ آپ نے نیابت، رسالت، معرفت سب کا حق ادا کر دیا۔ سب کو اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ قرآن پاک نوع انسان کی ہدایت کا وسیلہ ہے۔ شریعتِ محمدی دین و دنیا کی برکات کا وسیلہ ہے اور یہ دونوں نعمتیں ہمیں حضور کے وسیلہ سے حاصل ہوئیں۔ یہاں حضور کے وسیلہ سے یہ نعمتیں ملیں۔ قیامت کے روز جب کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر دم نہیں مار سکیں گے۔ اس دن حضور ہی کے دامنِ شفقت میں ہم سب کو پناہ ملے گی اور آپ ہی کے وسیلہ سے عاصیوں کی شفاعت ہو گی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

• آپ کا فرمانِ مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ (۵) ایسی چیزیں دی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور اُن میں سے ایک ''شفاعت کا حق'' ہے جو صرف مجھے دیا گیا۔ (صحیح بخاری)

۱۴ قرآن حکیم کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ایک مسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں اور وہ سب کے سامنے ہیں۔ اس سے ثابت ہوگا کہ آپ کی زندگی کے سلسلہ کی کوئی کڑی گم نہیں ہے، کوئی واقعہ زیرِ پردہ نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے اور یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کے کامل معصوم اور پاکیزہ ہونے کا ہے۔ نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہیں کہ ہر انسان کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔ چونکہ آپ کی زندگی مبارک پوری انسانیت کے لئے ایک معیار اور نمونہ ہے اسی لئے یہ پوری کی پوری محفوظ ہے اور کیوں محفوظ ہے اس کا جواب قرآن حکیم کی سورۂ احزاب میں یوں دیا گیا ہے۔

> دراصل رسول کی حیات پاک میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) پیش کر دیا گیا ہے۔ (آیت ۲۱)

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ کی مبارک زندگی کے واقعات کو جانے بغیر کوئی انسان قرآن حکیم کو سمجھ نہیں سکتا اس لئے کہ ہمہ قرآن در شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۵ قرآن مجید، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی ماخذ ہے۔ اس الہامی کتاب کی ۱۱۴ سورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے ضروری اجزا جستہ جستہ مذکور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی، یتیمی، جوانی میں مالی فراغت، تلاشِ حق، بعثت، نزول وحی، دعوت و تبلیغ، کفار کی مخالفت، اسلام کا فروغ، معراج، ہجرتِ حبشہ، ہجرتِ مدینہ، تحویلِ قبلہ، مشہور غزوات (بدر، احد، احزاب، حنین، تبوک اور فتح مکہ) خاندانی زندگی، اخلاق و عادات اور سیرت و کردار کے بارے میں مستند معلومات کا سرچشمہ یہی کتاب ہے۔

سر ولیم میور(۱) کہتے ہیں کہ قرآن کی اس خصوصیت میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسلام کی ابتدائی تاریخ معلوم کرنے کے لئے اس میں بنیادی باتیں موجود ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام تحقیق طلب امور، اس کے ذریعے صحت کے ساتھ جانچے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہبی خیالات، ان کے پبلک افعال اور ان کی نجی زندگی کے متعلق تمام مواد قرآن میں مکمل طور پر مل جاتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کا کردار معلوم کرنے کے لئے قرآن ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ہمیں سب کچھ صاف صاف نظر آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ بات ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قرآن ہے۔

۱۶ قرآن کے آئینے میں ہمیں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دلآویز جھلکیاں نظر آتی ہیں، ان میں اولین جھلک ایک جلیل القدر پیغمبر کی ہے۔ ایک ایسا پیغمبر جس کی آمد کی بشارت سابقہ آسمانی صحائف میں دی گئی تھی۔ چنانچہ آیات قرآنی کے مطابق آپ کا اسم مبارک محمد (ﷺ) بھی ہے اور احمد (ﷺ) بھی۔ کلام الٰہی میں آپ کو یٰسین، طٰہٰ، مزمل، مدثر، نبی امی، سراج منیر، شاہد، مبشر، نذیر، نور، رسول صادق، رحمۃ للعالمین، رؤف و رحیم، صاحبِ خلق عظیم، اول المسلمین، خاتم النبین، بندۂ الٰہی، صاحب کوثر، صاحب رفعت و شان، مرکز آرزوئے مومنین، محبوب اللہ تعالیٰ، قرار دیا گیا۔ تاہم قرآن کے نزدیک آپ کی سب سے اعلیٰ صفت یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپکی اصل حیثیت ایک ایسے انسان کی ہے جن کو منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔(۲)

۱۷ سچ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا کوئی جزو ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن میں ایک سے زائد آیات نہ ہوں۔ اسی لئے مولانا ابوالکلام آزادؒ کہتے ہیں کہ:

"اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور صرف
قرآن ہی باقی رہے تب بھی آنحضرت کی شخصیت مقدسہ اور آپ صلی

۱۔ The life of Muhammad(ﷺ) by Sir Willium Muir.

۲۔ سیرت رسول، پروفیسر سید نواب علی۔

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے، کیونکہ یہ صرف قرآن ہے جو ہمیشہ دنیا کو بتلاتا رہے گا کہ اس کا لانے والا کون تھا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و یگانہ کیسے تھے؟''

(رسولِ رحمت، مولانا ابوالکلام آزاد)

۱۸ کم و بیش یہی رائے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ دنیا سے مٹ جائے جو ائمہ اسلام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے، حدیث و سیرت کا ایک ورق بھی دنیا میں نہ رہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہو اور صرف کتاب اللہ (قرآن) ہی باقی رہ جائے، تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں، جو اس کے لانے والے کے متعلق ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔'' (سیرت سرور عالم، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

۱۹ پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی پوری کی پوری سینوں میں محفوظ ہے تو وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی ہے اور یہ بھی نہیں کہ آپ کی زندگی کے صرف اہم اہم واقعات کو جمع اور محفوظ کیا گیا ہو اور جزئیات کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور کی زندگی مبارک کے ایک ایک گوشے کو نمایاں کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں کتنے سفید بال تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک میں کتنے تسمے ہوتے تھے۔ آپ کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، بات کرنے، کھانا تناول فرمانے اور پانی پینے کی ایک ایک ادا کو امت نے محفوظ رکھا ہے اور دوسروں تک کمال احتیاط اور دیانت کے ساتھ ان تفصیلات و جزئیات کو پہنچایا ہے۔

۲۰ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے رسول کی زبان مبارک کا ایک ایک حرف اور ان کی حرکات و سکنات کی ایک ایک ادا اور ان کے وجود جلیلہ کے ایک ایک خد و خال کا عکس لے لیا۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس فکر کا

Marfat.com

قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف پوری تحقیق کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور نہ ہی آئندہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔

۲۱ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ خطبات مدراس میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں، لاکھوں، کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاء کی سیرتوں کے مقابلے میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے۔ سیرت و اخبار نبوی کی کتابیں ہر مصنف سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سن کر اور پڑھ کر ان کا ایک ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچایا۔ حدیث شریف کی پہلی کتاب موطا کو اسکے مصنف حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تقریباً چھ سو آدمیوں نے سنا۔ جن میں سلاطین زمانہ، علماء فقہا، ادباء اور صوفیاء یعنی ہر طبقے کے لوگ شامل تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف صحیح بخاری کو صرف ان کے ایک شاگرد سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا۔ اس احتیاط، اس اسناد اور اس اہتمام سے کس شارع یا بانیٔ دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا اور یہ تاریخ ساز معجزہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کے حصہ میں آیا۔

- علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے ایک اور خطبہ میں فرماتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد میں ہوں یا میدان میں، نماز شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں، منبر پر ہوں یا گوشہ تنہائی میں، ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے۔ ازواجِ مطہراتؓ آپ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں۔ مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کیلئے تھا، جن کے رہنے کو گھر نہ تھے۔ وہ باری باری سے دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپ کے ملفوظات سننے، آپ کے حالات دیکھنے اور آپ کی معیت میں گزارنے کے لئے صرف کرتے تھے۔ ان کی تعداد ستر کے قریب تھی، انہی میں حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔

Marfat.com

جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک مستقل آپ کی ایک ایک حرکت وسکون، ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی۔ غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزار ہا صحابہ کو شب و روز آپ کے دیکھنے اور آپ کے حالات مبارکہ سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا۔ فتح مکہ میں دس ہزار، غزوہ تبوک میں تیس ہزار اور حجتہ الوداع میں کم وبیش سوا لاکھ صحابہ کو آپ کی زیارت کے موقعے ملے اور جس نے جس حال میں آپ کو دیکھا، اس کی عام اشاعت کی۔ نہ صرف اس کی اجازت بلکہ حکم اور تاکید تھی۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کون سا پہلو ہوگا جو زیرِ پردہ رہا ہوگا۔''

۲۲ صحابۂ کرام کی تعداد حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری سال حجتہ الوداع میں تقریباً سوا لاکھ تھی۔ ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں، جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اس لئے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم وبیش آنحضرت کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے، یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کے محفوظ ہونے کا ہے۔''

۲۳ گیارہویں صدی ہجری کی سب سے اہم کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق ''مدارج النبوۃ'' ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحِ حیات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اس کتاب کے مصنف نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ یہ کتاب نہ صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بلکہ اس صدی کا شاہکار ہے۔ اکبری عہد میں کتاب وسنت سے لوگوں کی بے اعتنائی بڑھ گئی تھی، چنانچہ شیخ عبدالحق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے سب گوشے منور کر کے لوگوں کو پھر اسلام کی حقیقت اور بانیٔ اسلام کی سیرت کی طرف متوجہ کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی ایک اور اہم کتاب ''جذب القلوب اِلٰی دیار المحبوب'' فارسی زبان میں مدینہ کی تاریخ ہے، یہ کتاب مصنف نے بڑے والہانہ انداز میں لکھی ہے، چنانچہ جب وہ مدینہ کی تاریخ کے خاتمے پر پہنچتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے ایک ایک عضو مبارک پر درود بھیجتے ہیں۔

Marfat.com

۲۴ بعض مصنفین نے سیرتِ رسول کے مختلف پہلوؤں پر با قاعدہ الگ الگ کتابیں تحریر کی ہیں۔ مثلاً بعض علماء نے آنحضرت کے مولد کو مستقل موضوع بنایا۔ بعض حضرات نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلاف پر کتابیں لکھیں اور بہت سے علماء نے اعلام النبوۃ (یعنی نبوت کی علامات) کو موضوع بنا کر کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ شمائل نبوی پر کتابوں کا الگ سلسلہ ہے۔ آنحضرت کے نعلینِ مبارک پر ابوالیمین عبدالصمد بن عبدالوہاب (م ۶۸۶ھ) کی کتاب موجود ہے اور اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حافظ ابنِ قیم الجوزیہؒ (م ۷۵۱ھ) کی ''زادالمعاد'' ہے، جو اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ کچھ علماء نے آپ پر درود وسلام بھیجنے کو اپنا موضوع بنایا اور کچھ علماء کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ذکر مبارک سے اپنی کتاب کو زینت دی اور بعض نے آنحضرت کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) اور کاتبوں کے حالات کو موضوع بنایا۔

۲۵ حیاتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا مقدس موضوع ہے جس پر مسلمان محدثین، مفسرین، مؤرخین اور اہلِ علم و دانش نے اس قدر لکھا ہے اور اِس کے ہر پہلو پر لکھا ہے کہ اس کا مکمل احاطہ ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ سیرت نگاری پر ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں موجود ہیں۔ پھر یہ بھی کہ اس ضمن میں صرف کسی ایک زبان ہی میں نہیں بلکہ قریب قریب دنیا کی ہر زبان میں لکھا گیا ہے اور لکھنے والوں میں صرف مسلمان ہی نہیں، بہت سے دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی شامل ہیں۔ اس لئے کہ سرورِ کائنات، نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض مسلمانوں ہی کے لئے ہادیٔ برحق اور رحمت نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں تمام جہانوں کے لئے اور تمام جہاں والوں کے لئے۔

جو لوگ مطالعے کا ذوق وشوق رکھتے ہیں، وہ کیرن آرمسٹرانگ کے نام سے یقیناً واقف ہوں گے، کیونکہ اس نے خصوصیت سے مسلمانوں کی تاریخ کو موضوع بنایا ہے، جس پر اس کی کئی کتابیں موجود ہیں۔ خود اردو زبان میں اس کی متعدد کتابیں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ حال ہی میں اُس کی کتاب "Muhammad (SAW) The prophet of our time" شائع ہوئی ہے جس کا اردو ترجمہ جناب یاسر جواد صاحب نے ''پیغمبرِ امن'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ کیرن آرمسٹرانگ کا کہنا ہے کہ:

Marfat.com

''ایک رہنما شخصیت کے طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نہ صرف مسلمانوں، بلکہ اہلِ مغرب کیلئے بھی اہم اسباق رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی ایک جہاد تھی۔ اس لفظ کا مطلب صرف مقدس جنگ نہیں بلکہ جدوجہد ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ زدہ عریبیہ میں امن قائم کرنے کی سخت کوشش کی، آج ہمیں یہ کام کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے۔ مصنفہ نے اپنی اس کتاب میں اُس دور کے کئی ایک واقعات کے حوالے سے لکھتے ہوئے روایت سے قدرے ہٹ کر بات کی ہے، اور ان واقعات و حالات کو جدید عہد کے تناظر میں دیکھا ہے۔ ظاہر ہے، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس لئے اس نے عقیدت کی بجائے حقائق اور ان کے پس منظر کا جائزہ پیش کیا ہے۔''

۲۶ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیات میں کامیاب ترین انسان تھے لیکن یہ کوئی حادثاتی کامیابی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی نعمت غیر مترقبہ تھی یہ اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ آپ اپنے معاصرین کی نظر میں ایک سچے اور کھرے انسان تھے اور یہ کہ آپ ایک قابل ستائش اور جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔

۲۷ ایک عیسائی مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب The Hundred میں ایک سو (۱۰۰) بڑی شخصیات میں رسول اللہ کو پہلا نمبر ایسے تو نہیں دیا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرے نمبر پر لایا۔ حالانکہ عقیدتاً اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلا نمبر دینا چاہئے تھا۔ یہ عظمتیں ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔ دنیا نے تو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے انسان پیدا نہیں کئے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔

۲۸ جناب سید مناظر احسن گیلانی اپنی کتاب ''النبی الخاتم'' میں ''زندہ نبی'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

Marfat.com

''یوں تو آنے کو سب ہی آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو اُن پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ اُن میں جو بھی آیا، جانے کیلئے ہی آیا۔ اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لئے آیا۔ وہی جو اُبھرنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا۔ چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔''

۲۹ حضرت احمد علی لاہوریؒ نے مسئلہ حیات النبی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ دنیوی کی طرح مع جسد مبارک قبر شریف میں حیاۃ ہیں مگر یہ بات بصیرت سے سمجھ میں آتی ہے یا عقیدت سے۔ (احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات)

● ایک ماہانہ جریدہ خدام الدین کے شمارے ۱۶ر فروری ۲۰۰۱ء میں ایک فتویٰ شائع ہوا جو کہ بڑے بڑے جید علماء نے دیا تھا۔ اس فتوے کے مطابق وصال کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روحِ حیات حاصل ہے، اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

۳۰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونے کی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عمدہ اور دل چسپ تفسیر و توجیہ کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اتباعِ رسول اور تقلیدِ نبوی میں ڈوب جانے کا نام ہی دیدارِ رسول ہے دنیا میں ایسے زندگی بسر کرو جیسے رسولِ پاک کا اسوہ حسنہ تم کو تلقین کرتا ہے اگر تم ایسا کرو گے تو تم کو جن و انس سب میں مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ آپ کی سنت کی پیروی میں ڈوب کر خود شناسی حاصل کرو۔ یہی آپ کا دیدار ہے۔ (اقبال اور محبتِ رسول، ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی)۔

● ڈاکٹر محمد اقبال مذہبِ اسلام کے سچے مقلد تھے۔ انہیں اپنے مذہب سے پیار اور رسولؐ سے عشق تھا۔ رسولؐ کے اس عاشقِ صادق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس محفل میں بھی تذکرۂ رسولؐ ہوتا تھا اقبال فرطِ محبت اور جوشِ عقیدت سے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ اقبال کے اشعار، خطبات اور مکاتیب میں جا بجا ذکرِ رسولؐ ملتا ہے اور ہر جگہ اقبال اپنا نذرانۂ

Marfat.com

عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اقبال پیغمبرِ اسلامؐ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں ایک خطبے میں یوں گویا ہوتے ہیں:

> ''پیغمبرِ اسلامؐ کی ذاتِ گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم و جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے۔ باعتبار اپنے سرچشمہ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے، لیکن باعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے۔ یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے۔''

ایک اور جگہ حضورؐ کی شان میں یوں رطب اللسان ہوئے ہیں:

> ''میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح ان کے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔''

- ختم نبوت کے عقیدے پر گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ ''ختم نبوت کے عقیدے کی ثقافتی قدر و قیمت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیلئے اعلان فرما دیا کہ آئندہ کسی انسان کے ذہن پر کسی انسان کی حکومت نہیں ہوگی۔ میرے بعد کوئی شخص دوسروں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری بات کو بلا چوں و چرا تسلیم کرلو۔ ختم نبوت ایسا عقیدہ ہے جس کی بدولت انسانی علم کے دائرے کو وسعت نصیب ہوگئی۔ (ملفوظاتِ اقبال، یوسف سلیم چشتی)
- شمعِ رسالت کے اس پروانے نے بارگاہِ الٰہی میں جب ''شکوہ'' پیش کیا اور مسلمانوں کی حالتِ زار کی نشان دہی کی تو کس عقیدت اور محبت سے مقامِ رسولؐ کو خدا کی جانب سے بطور ''جوابِ شکوہ'' متعین کیا:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

- ''بالِ جبریل'' اور ''اسرار و رموز'' میں بھی کئی مقامات پر حضورؐ کی ذات کو دینی و دنیوی مسائل میں جزو لاینفک قرار دیا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

Marfat.com

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب!
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب!

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب!

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ! عقل تمام بولہب!
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

● علامہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی ایسا کوئی شعر نہیں کہا جسے میں نے اپنے قلب میں محسوس نہ کیا ہو اور محض عقل کے زور سے کہہ دیا ہو۔ یعنی میرے اشعار میں فکر اور جذبہ دونوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ (ملفوظاتِ اقبال، یوسف سلیم چشتی)

۳۱ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ایک کامل اور اکمل نمونہ ہے۔ اور اسی لئے اس نمونۂ کامل کے تمام پہلو رہتی دنیا تک سب کے لئے سامانِ ہدایت فراہم کرتے رہیں گے اور جو شخص حضور کے عشق میں ڈوب جائے اور آپ کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لے اسے وہ بے پناہ قوتیں حاصل ہوں گی کہ وہ بحر و بر پر اپنا تسلط جما لے گا بلکہ اس کو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر طاقت حاصل ہو جائے گی اور ڈاکٹر صاحب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال پیش کرتے ہیں کہ ملک حبش کا ایک غیر معروف شخص مکہ مکرمہ میں غلام بن کر آیا۔ مگر عشقِ رسول کی برکت سے اسے وہ مقام ملا کہ موذنِ رسول بنا۔ تمام صحابہؓ ان کو عزت و اکرام سے دیکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ تو ان کو سیدنا بلال کہا کرتے تھے۔ یہ سب عزت و عظمت عشقِ نبی کے صدقے میں ان کو حاصل ہوئی تھی اور دنیا میں روزانہ پانچ

Marfat.com

وقت اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو حضرت بلالؓ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ محبتِ رسول کا صدقہ ہے یہ حیات دوام اور ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا خوب کہا ہے ؎

اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

• حضرت بلالؓ جنتی ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کو جنت میں ایک طرف سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو محسن اعظم نے حضرت جبرائیلؑ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو جواب آیا کہ یہ آپ کے مؤذن حضرت بلالؓ ہیں، سبحان اللہ! (ذکرِ رسول ﷺ، ڈاکٹر حمید یزدانی)

۳۲ علامہ اقبال اسوہ حسنہ کی تقلید کا سبق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم باغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کلی ہو۔ بہار مصطفوی کی ہواؤں سے کھل کر پھول بن جاؤ۔ انہی کی بہار ایسی ہے کہ اس سے رنگ اور بو حاصل کرنی چاہئے۔ اس لئے حضور کے مکارمِ اخلاق اور اسوۂ حسنہ کا پرتو اپنے اندر پیدا کرو۔ مسلمان سرتاپا شفقت ہوتا ہے۔ دنیا میں اس کا ہاتھ اور زبان سب رحمت ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ نام لیوا ہے اس ذات گرامی کا جس کی انگلی کے ایک اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ جو خلق عظیم کے حامل ہیں، اور جن کی رحمت سب کے لئے عام ہے۔ تم اگر آنحضرت کی راہ سے دور ہو جاؤ گے تو ہمارے زمرے سے خارج شمار کئے جاؤ گے۔ مسلمان کی طینت اور فطرت ایک موتی کے مانند ہے۔ جس کو آب و تاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر سے حاصل ہوتی ہے، تو آب نسیاں ہے۔ اس سمندر کے آغوش میں آسودہ ہو جا، اور پھر اس سمندر سے موتی بن کر باہر آ۔

۳۳ ڈاکٹر محمد اقبال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ایسی تھی کہ لوگوں کو آپ کے دیدار اور ملاقات کی آرزو رہتی تھی۔ آپ کے چہرہ مبارک پر ایک نظر ڈال لینا ہی دنیا اور آخرت کی نجات کے لئے کافی تھا اور ''رموز بے خودی'' میں فرمایا کہ فرد کو اللہ تعالیٰ نے زندگی دے رکھی ہے اور ملت کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ملت آپ کے سورج کی شعاؤں سے ہی چمک رہی

ہے۔ اسی طرح ''اسرار خودی'' میں عشقِ رسول کے سلسلے میں انہوں نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سنت کے بے حد پابند تھے اور انہوں نے خربوزہ صرف اس لئے نہ کھایا کہ انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پھل کو کبھی کھایا یا نہیں اور اگر کھایا تو کس طرح۔ یہ بات یاد رہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے علاقہ ''بسطام'' میں خربوزہ بڑی وافر مقدار میں ہوتا ہے۔

؎ کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

بسطام کا مرد کامل نسبتِ رسول میں بے مثال تھا ۔حتیٰ کہ اتباعِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں خربوزہ کھانے سے اجتناب کرتا تھا۔

۳۴ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو حضور کی جانب تاک لگائے دیکھتے رہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا بات ہے۔ وہ بولے میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں ہی اس دیدار کی بہار لوٹ لوں۔ آخرت میں حضور کے مقامِ رفیعہ تک تو ہماری رسائی بھی نہ ہو گی۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اور نبی کریم نے فرمایا کہ جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔

- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مجھے کوئی بھی پیارا نہ تھا مگر میرے دل میں حضور کا جلال اس قدر تھا کہ میں آنکھ بھر کر حضور کو نہ دیکھ سکتا تھا۔

- حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے مجمع میں تشریف لاتے تو کوئی بھی (رعب وجلال کی وجہ سے) نگاہ بلند نہ کرتا۔ البتہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نظر اٹھا کے دیکھ لیتے تھے، اور حضور بھی ان کی جانب زیادہ دیکھا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر تبسم فرماتے اور وہ بھی متبسم ہوتے تھے۔

Marfat.com

• حضرت عبید اللہؓ صحابی کا ذکر ہے کہ انہوں نے آپ سے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اہل وعیال اور مال سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں اور جب آپ مجھے یاد آتے ہیں تو میں گھر میں ٹک نہیں سکتا اور آپ کو دیکھ کر تسلی پاتا ہوں۔ مگر میں اپنی موت اور آپ کے وصال مبارک کا تصور کر کے سوچتا ہوں کہ حضور تو فردوس بریں میں انبیاء کے درجہ بلند پر ہوں گے اور میں اگر بہشت میں پہنچا بھی تو کسی ادنیٰ مقام پر ہوں گا اور وہاں حضور کا دیدار نہ پا سکوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا۔ اسی طرح حضرت انس بن مالک سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو صبح وشام ایسی زندگی بسر کر سکتا ہو کہ تیرے دل میں کسی کا کینہ نہ ہو تو ضرور ایسا ہی کر پھر فرمایا یہی میری روش ہے اور جس نے میری روش کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ سبحان اللہ۔

۳۵ حضرت علی المرتضیٰؓ سے کسی نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہوتی تھی۔ آپ نے جواب دیا بخدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مال و اولاد و پدر و مادر سے زیادہ محبوب تھے جیسے کہ ٹھنڈا پانی پیاسے کو پیارا ہوتا ہے اور اسی سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے کہ ہر شخص کا حشر اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

۳۶ جی۔ ایس دارا(۱) نے اپنی خوبصورت کتاب ''رسول عربی'' صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک سکھ محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ رواداری کی روشن مثال پیش کی ہے۔ بقول

۱۔ رسول عربی ﷺ (یا محمدؐ کی سرکار) ایک سکھ مصنف، پروفیسر جی ایس دارا (سردار گوردت سنگ دارا) کی تصنیف ہے جو لاہور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ اور رسالہ ''انڈیا'' لندن کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں سردار صاحب لاہور سے لندن آئے تو اس کتاب کا مسودۂ اوّل ان کے پاس موجود تھا۔ جس میں بعد ازاں وہ ترمیم و اضافہ کرتے رہے۔ ۱۹۲۰ء میں سید سلیمان ندوی، مولانا محمد علی جوہر کے تین رکنی خلافت ڈیلی گیشن میں شامل ہو کر لندن آئے تو سردار صاحب انہیں ملے (بقیہ آگے)

Marfat.com

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ: ''رسول عربی'' اس مختصر و جامع رسالہ کا نام ہے، جو دارا صاحب کے تخمِ محبت کا ثمر اولین ہے۔ اس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات حیات مبارک شروع سے آخر تک اس انداز میں جمع کر دیئے گئے ہیں کہ اکثر مقامات پر ایک مسلمان کو بھی اس خلوصِ نیاز پر رشک آنے لگتا ہے۔'' یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصہ متعدد ابواب میں منقسم ہے۔ کتاب کی ابتداء میں مصنف نے ''بحضور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے بڑے عقیدت مندانہ انداز میں سرزمین عرب، ہمالیہ کی بلند چوٹیوں اور آب گنگا سے خطاب کیا ہے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت سے آگاہ کیا ہے۔ اس عرضداشت کی ابتدائی سطور یہ ہیں:

> ''ایک صاحبِ کمال آیا، جس نے جلوۂ حق دکھایا۔ جس کسی نے اسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا، اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی۔ جس کی نگاہِ شوق اس پر پڑی، اسے منہ مانگی مراد مل گئی۔ جس بشر کو اس من موہن نے اپنا درشن دیا، اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا۔ اے عرب! کیا ہی عجب ہوں گے تیرے بھاگ، جو تو نے نور اللہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کیا ہی اچھے ہوں گے تیرے بخت جو تو نے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی آنکھوں سے درشن کئے۔''

اور اس کے بعد لکھا ہے:

> ''اے کوہِ ہمالہ! مگر سچ کہنا، کہیں دیکھا ہے تو نے مکہ کا راج دلارا؟ کہیں نظر پڑا ہے تجھے بھی وہ مدینہ کا پیارا؟ اے آبِ گنگا! آخر یہ تو کہہ، کہیں اس آبِ زمزم والے سے بھی تری آنکھ لڑی؟ کہیں اس مکی مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجھ سے کوئی گنگا جل بھری! اے تاجدارِ عرب صلی اللہ علیہ وسلم! سنتے ہیں، تیری چھب موہنی تھی اور تیرا روپ

(بقیہ) اور اپنی کتاب کا مسودہ دکھایا۔ سید سلیمان ندوی مصنف کی بے تعصبی اور توحید پرستی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس کی خواہش پر اشاعت اوّل کے لئے دیباچہ بھی عطا کیا۔ اس دیباچے میں سید صاحب نے دل کھول کر رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف کی ہے۔

انوپ تھا۔ اے دلدارِ عرب! صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تیری پریت
کی جوت جس من میں جگی، وہ بجھائے نہ بجھی۔ جس آنکھ پر تیری نگاہ
پڑی، وہ پھر تیری ہی ہو رہی۔''

۳۷ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں قرآن حکیم کی متفرق آیات کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سارے جہانوں، سارے ملکوں اور ساری قوموں کیلئے باعثِ رحمت ہے۔ مصنف نے ایک ایک کر کے وہ سب احسانات گنوائے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعے بنی نوع انسان پر کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دنیا کی کوئی شخصیت ایسی نہیں، جس سے اتنی زیادہ محبت کی گئی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے اعلیٰ اوصاف کی وجہ سے محبوب خلائق، محبوب ملائک اور محبوب خدا ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ایک حدیث کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان میں داخل ہے کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ماں باپ، آل اولاد اور باقی سب اشخاص سے بڑھ کر محبت نہ ہو۔ مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جود وسخا، عدل وانصاف، شجاعت، تواضع، حیا، شفقت و رافت، عفو و کرم، زہد فی الدنیا اور عام اخلاق کی مثالیں دیکر ثابت کیا ہے کہ ایسے اسوۂ حسنہ کی مالک شخصیت سے کون محبت نہیں کرے گا۔

۳۸ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اپنی ذہنی اور جذباتی کیفیات کے سلسلے میں جناب نیاز الدین کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن حکیم یا عالم تخیل میں قرون اولیٰ کی سیر۔ مگر سوچئے کہ جس زمانے کا خیال اس قدر حسین وجمیل اور روح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہو گا۔ پھر فرمایا۔

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

Marfat.com

۳۹ ڈاکٹر صاحب ''اسرار و رموز'' میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی مثال گل صد برگ کی سی ہے کہ گو اس میں سو پنکھڑیاں ہیں مگر سب ایک اصل سے وابستہ ہیں اور میں تمہیں کیا بتاؤں کہ آپ کی محبت کیا چیز ہے۔ یہ محبت تو وہ ہے جو بے جان چیزوں کو بھی آپ کے لئے بے قرار رکھتی ہے۔ چنانچہ منبر کی خشک لکڑی بھی آپ کی جدائی میں ایسے زار و قطار اور بلند آواز سے روئی تھی کہ سننے والے ششدر رہ گئے۔ مسلمانوں کا وجود آپ کے جلوؤں سے روشن ہے اور آپ کے قدموں کی خاک ایسی مقدس اور بلند رتبہ ہے کہ اس سے طور جنم لیتے ہیں۔ سبحان اللہ خاک یثرب ! یہاں کی خاک دونوں عالم سے بہتر اور بڑھ کر ہے۔ کتنا پیارا اور مبارک شہر ہے۔ وہ شہر جہاں ہمارا محبوب آسودہ خواب ہے اور ارشاد گرامی ہے۔

میرے جسم میں استعمال ہونے والی خاک کو اس شہرِ نور (مدینہ منورہ) کی خاک کا وہ حصہ ہونے کا شرف حاصل ہے جہاں میری آخری آرام گاہ ہے اور اسی طرح آپ نے ایک دفعہ فرمایا جس اللہ کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے اس کی قسم مدینہ منورہ کی مٹی بھی صاحبِ ایمان ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے خوب فرمایا ہے۔ (نقوش سیرت نمبر ۹)

خاکِ یثرب از دوعالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

ترجمہ: طیبہ کی خاک دونوں جہانوں سے بہتر ہے۔ اے (دل کی) ٹھنڈک شہر کہ وہاں محبوب ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

۴۰ حضرت علامہ ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب مدظلہ العالی (۱) اپنی معروف سیرت

۱۔ جناب منظور احمد شاہ صاحب اللہ تعالیٰ ان کو عمر خضر عطا فرمائے وہ مبارک ہستی ہیں کہ (بقیہ آگے)

ایوارڈ یافتہ کتاب ''مدینۃ الرسول'' صلی اللہ علیہ وسلم جس کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں لکھا گیا، میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''غالباً ۱۹۶۵ء کی بات ہے ان دنوں میں شدید بیمار تھا۔ داڑھی کے بال گر رہے تھے۔ سر کے بال اکھڑ چکے تھے۔ تمام رات درد اور کھجلی میں گزر جاتی۔ خارش کی شدت سے نڈھال رہتا۔ تمام رات جاگتے گزر جاتی، نیند کا تصور ہی نہ تھا۔ نیند کے لئے دعائیں کرتا۔ جس رات نیند آتی میری عید ہوتی، سجدہ شکر بجا لاتا۔ پاکستانی معالجین کو آزمایا۔ علاج میں کوئی کمی نہ رکھی۔ میری بساط سے زیادہ رقم خرچ ہو گئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ کھجلی سے خون بہہ نکلتا۔ قدرت کا کرم ہوا۔ اس سال اسی حال میں مجھے سرزمین طیبہ پاک میں حاضری نصیب ہوئی۔ یوں تو مدینہ منورہ کی خاک پاک جہاں سے لی جائے۔ خاکِ شفا ہی ہے۔ تاہم ایک خاص میدان بھی ہے جو سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے باغ کے قریب ہے میں اس مقدس میدان میں حاضر ہوا، مٹی پاک اٹھائی، پانی میں بھگو کر تمام جسم پر مل لی۔ میرے ساتھی میرے اس انداز پر حیران تھے، مگر مجھے یقین کامل تھا کہ آج

(بقیہ) ۱۹۸۶ء میں حج کے دوران منیٰ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر بڑا کرم ہوا کہ ان کے خیمے میں ہم گنہگاروں کو جگہ مل گئی۔ ہمارا پہلا حج تھا اور ان کا ماشاء اللہ لگاتار ۲۷ واں۔ بلکہ اس طرح کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی سپردگی میں دے دیا۔ اس کے بعد میدان عرفات، مزدلفہ اور پھر منیٰ میں ان کا بابرکت ساتھ۔ اس سے زیادہ ہماری کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ ہمارے لئے تو اللہ تعالیٰ نے اس حج کو جو کہ ۱۴/اگست ۱۹۸۶ء کو ہوا حج اکبر بنا دیا۔ شاہ صاحب کی یہ بہت بڑی ذرہ نوازی ہے کہ ہم جیسے گناہ گاروں کو ابھی تک اپنائے ہوئے ہیں اور جب بھی خدمت عالیہ میں گزارش کرتا ہوں غریب خانے کو اپنے بابرکت قدموں سے نوازتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان کو جزائے خیر دے اور انکے درجات بلند فرمائے۔ (آمین) صدیق حسن ملک

Marfat.com

رنج و آلام کے بادل چھٹ جائیں گے کہ اِس خاک پاک کو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاکِ شفا فرمایا ہے۔ اس مقدس مٹی کا لگنا تھا کہ مجھے اپنے زخموں پر ٹھنڈک محسوس ہوئی، آج بیس برس گزر گئے مگر یہ واقعہ لکھتے ہوئے بھی میں وہی ٹھنڈک آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔ چند لمحات بعد میں نے غسل کیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ پھر کبھی یہ دکھ محسوس نہیں ہوا۔"

۴۱ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی حالت میں زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ اب بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہوا کرتے تھے۔ علامہ کو آپ کی نبوت پر زبردست اعتقاد تھا اور وہ حضورِ پاک کی ذات مبارکہ سے بے پناہ عشق رکھنے کی وجہ سے صحیح معنوں میں عاشق رسول تھے۔(۱) ایک دفعہ ایف سی کالج لاہور کے پرنسپل نے جو کہ انگریز تھا علامہ سے تخلیے میں پوچھا کہ آپ کے نزدیک آپ کے نبی پر قرآن کا مفہوم نازل ہوتا تھا یا کہ الفاظ نازل ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ میرے نزدیک تو قرآن کی عبارت عربی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی۔ جب پرنسپل نے اس جواب پر بہت تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تو خود اس کا تجربہ ہے میں پیغمبر نہیں ہوں۔ محض ایک شاعر ہوں جب میرے اوپر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر نازل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک شاعر پر پورا شعر نازل ہو سکتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی پوری عبارت نازل ہوتی تھی۔

۴۲ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے عقلی دلائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ عقلی دلائل تو جتنے باری تعالیٰ کے وجود کے دیئے جا سکتے ہیں اتنے ہی عدم وجود کے بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ سوال کرنے والے نے حیران ہو کر پوچھا تو پھر آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل کیونکر ہیں۔ تو علامہ نے برجستہ جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ

۱۔ اقبالیات کے ۱۰۰ سال، اکادمی ادبیات، پاکستان۔

کے وجود کا اس وجہ سے قائل ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ ''اللہ'' ہے۔

۴۳ ۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تو راستہ میں سکندریہ (مصر) رکے، جہاں مصر کے دیگر علماء و شخصیات کے ساتھ سید محمد قاضی ابوالعزام نے استقبال کیا اور پھر شام کو اپنے صاحب زادوں کے ساتھ علامہ کی قیام گاہ پر ملاقات کیلئے آئے۔ علامہ نے کہا: میں خود زیارت کے لئے حاضر ہو جاتا، آپ کیوں تشریف لائے؟ قاضی ابوالعزام نے کہا کہ خواجۂ دو جہاں کا ارشاد ہے: جس نے دین سے تمسک کیا اس کی زیارت کو جاؤ گے تو مجھے خوشی ہو گی، لہٰذا ارشادِ نبویؐ کے مطابق چلا آیا ہوں کہ میرے آقا خوش ہوں۔ علامہ نے سنا تو بے تاب ہو گئے اور انہیں ایک چپ سی لگ گئی۔ سید قاضی ابوالعزام نصیحتیں کرتے رہے اور علامہ سنتے رہے۔ جب وہ واپس ہوئے تو علامہ دیر تک روئے اور فرمایا: ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ لوگ مجھ جیسے گنہگار کو متمسک بالدین جان کر خواجۂ دو جہاںؐ کے ارشاد کی اتباع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے ملنے آتے ہیں۔ اتنا کہہ کر پھر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

• اس سفر لندن سے واپسی پر مؤتمر عالمِ اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے بیت المقدس گئے۔ واپس تشریف لائے تو کسی نے سوال کیا کہ جناب فلسطین سے زیارتِ حرمین کے لئے جانا کیونکر مشکل تھا؟ جواب میں علامہ نے فرمایا:

> ''مدینہ کی زیارت کو جانا ایک قلبی معاملہ ہے۔ میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ دنیاوی کام کے لئے آنا اور حرمِ نبویؐ کی دید کی جرأت کرنا سوءِ ادب ہے۔ پھر کچھ مقامی دوستوں سے وعدہ تھا جب بھی ایسا ہوگا آپ کے ساتھ ہوگا۔ ان دونوں خیالوں نے مجھے روکے رکھا ورنہ کوئی امر مانع نہ تھا۔ یا یوں کہہ لیں کہ ضمناً دربارِ رسولؐ میں حاضر ہونا معیوب محسوس ہوتا تھا۔''

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ عشقِ مصطفیٰ علیہ السلام میں کس مقام پر تھے۔ ان کی

Marfat.com

والہانہ محبت اور عقیدت انہیں مکہ و مدینہ کی زیارت پر مجبور کرتی رہتی۔ ایک جگہ خود فرماتے ہیں

خاکِ یثرب از دوعالم خوش تر است

اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است!

۴۴ ایک دفعہ علامہ محمد اقبال سے قرآن مجید کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو علامہ فرمانے لگے کہ قرآن حکیم کے عجائبات قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے اور قرآن حکیم کی تفسیر ایک آدمی کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس کی تفسیر کے لئے مختلف علوم کے ماہر جو قدیم اور جدید علوم سے مستند طور پر آراستہ ہوں اور متفقہ طور پر ایک تفسیر مرتب کریں اور ہر شعبۂ علم کے خصوصی علماء کو اس علم کی متعلقہ آیات تفسیر کیلئے دی جائیں۔ اس طریق پر متفقہ طور پر ایک تفسیر مرتب کی جائے جو کہ سو سال تک رہے ہر صدی کے بعد اس وقت کے علماء جدید علوم کی روشنی میں تفسیر پر نظر ثانی کریں۔ اس بات سے حضرت علامہ اقبال کی فکری عظمت اور ان کی نظر میں قرآن مجید کی شان بلند اور نمایاں ہوتی ہے۔ (علامہ اقبال سے آخری ملاقات، صوفی تبسم)

۴۵ مشہور مسلم لیگی لیڈر راجہ حسن اختر نے ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے ازراہِ عقیدت عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرق و مغرب کے علوم کا جامع بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ ان علوم نے مجھے چنداں نفع نہیں پہنچایا۔ راجہ صاحب کو جستجو ہوئی کہ اس عظیم راز کو کس طرح معلوم کروں جس نے اقبال کو ''اقبال'' بنایا ہے۔ آخر دل کو مضبوط کر کے عرض کیا کہ وہ بات پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں تو ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام''

۴۶ ایک روایت کے مطابق ایک صحابی رسول نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے وظائف کے لئے روزانہ کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ تین چوتھائی باقی سارے وظائف میں ایک چوتھائی درود شریف میں صرف کرتا ہوں اور اجازت لینا چاہتا ہوں کہ یہ درست ہے یا اس میں ترمیم کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم درود زیادہ کرلو تو اچھا ہے، تو صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ میں آدھا وقت درود شریف پر لگا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس

Marfat.com

سے زیادہ کر سکو تو اچھا ہے یہ سن کر عرض کی یا نبی اللہ تین حصے درود شریف کے لئے اور ایک حصہ باقی ذکر واذکار کے لئے کرلوں تو فرمایا کہ اگر اس سے زیادہ کرلو تو اچھا ہے تو صحابی کہنے لگا کہ اس سے زیادہ تو پھر یہ ہے کہ صرف درود شریف ہی پڑھتا رہوں، فرمایا گیا کہ اگر تم ایسا کرو تو نہ صرف دنیا کی حاجات پوری ہوں گی بلکہ آخرت کی حاجات کو بھی کفایت کرے گا۔

● درود شریف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی برکت سے پردہ خیال میں ایک ایسی بابرکت ذات کے ساتھ قربت کا احساس جاری وساری رہتا ہے جس کے پاؤں کی خاک اغواث، اقطاب، اولیاء اور ابدال کی آنکھ کا سرمہ، جس کے قدموں میں دنیا کامران اور عقبیٰ بھی بامراد، جس کے ذکر کے نور سے عرش بھی سربلند اور فرش بھی سرفراز، جس کا ثانی نہ پہلے پیدا ہوا اور نہ آگے کبھی ہوگا اور جس کی آفرینش پر رب البدیع الخالق المصور نے اپنی صناعی کی پوری شان تمام کردی۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ. کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ. صلوا علیہ وآلہٖ

۴۷ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدت تھی اس کا اظہار ان کے کلام سے خوب ہوتا ہے اور انہوں نے ملت اسلامیہ اور اسلام کے لئے کیا خدمات انجام دیں، اس حقیقت سے تمام اہل علم اور مسلمان بخوبی واقف ہیں۔ لیکن ان خدمات کے باوجود اقبال کو قلق تھا کہ انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ اس میں ان کی عظمت اور بڑائی کا عنصر اپنے پورے معنوں کے ساتھ عیاں ہے۔ علامہ نے اپنی چھوٹی ہمشیرہ سے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ پڑھنے میں گنوا دی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے، اگر یہ قویٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خدمت کر سکتا اور جب مجھے یاد آتا ہے کہ والد مکرم مجھے علومِ

Marfat.com

دین پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا۔ بہرحال جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا ہوا اور مجھ سے بھی جو کچھ ہو سکا میں نے کیا۔ لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہئے تھا اور زندگی تمام و کمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بسر ہونی چاہئے تھی۔''

- اقبال نے اسلام کی خاطر کیا خدمات انجام دیں اسکا جواب انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے اسلام کیلئے کیا کیا! میری خدمت اسلامی تو بس اس قدر ہے کہ جیسے کوئی شخص فرط محبت میں سوئے ہوئے بچے کو بوسہ دے۔''

۴۸ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ علامہ اقبال کی والہانہ عقیدت کا کیا حال تھا اکثر لوگوں کو معلوم ہے مگر یہ شاید کسی کو معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے سارے فلسفہ اور اپنی تمام عقلیت کو رسول اللہ کے قدموں میں ایک متاع حقیر کی طرح نذر کر کے رکھ دیا تھا۔ حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ بلکہ پرانے مولوی تک کان کھڑے کرتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے ٹھیٹھ مفہوم پر ایمان رکھتے تھے اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحہ کیلئے بھی ان کے دل میں شک کا گزر نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان کے سامنے بڑے اچھنبے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا تھا کہ رسول کریم اصحاب ثلاثہ کے ساتھ احد پر تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں احد لرزنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''احد رک جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہداء کے سوا کوئی نہیں ہے۔''

اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔ علامہ نے حدیث شریف سنتے ہی کہا کہ اس میں اچھنبے کی کونسی بات ہے اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے

Marfat.com

تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے پاؤں کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں۔ مجازی طور پر نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں۔ (اقبالیات کے ۱۰۰ سال)

۴۹ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جب بحری جہاز میں ہندوستان سے انگلستان جا رہے تھے۔ مہینہ ستمبر ۱۹۳۱ء کا تھا جب جہاز عدن کے قریب پہنچا اور بحیرۂ عرب کی نرم موجوں پر تیرتی ہوئی ان کی نظر پہلی بار جزیرہ نمائے عرب کی زمین پر پڑی تو قلب میں طوفان برپا ہو گیا اور جس طرح صدف کے منہ میں قطرہ آب ٹپک کر گہر آب دار بن جاتا ہے ان کے قلم سے یہ ۴۳ الفاظ یکے بعد دیگرے موتیوں کی مانند ٹپکے اور انمول ہو گئے۔

''اے عرب کی سرزمین !تو ایک پتھر تھی جسے دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے اللہ تعالیٰ جانے تجھ پر کیا پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔''

۵۰ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سرشاری و سرمستی آفتابِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وتجلیات کی ایک کرن ہے۔ یہ نصیب میں آ گئی تو سب کچھ مل گیا۔ جب تک اس کا سوز انسان میں ہے اس وقت تک اسے حقیقی زندگی میسر ہے۔ یہی قوت ہے جس سے یقین و ایمان میں پختگی آتی ہے اور ان کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب نصیحت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ایک بحرِ ذخار کے مانند ہیں۔ جس کی موجیں آسمان کو چھوتی ہیں تم بھی اس سمندر سے سیرابی حاصل کرو کہ تمہیں حیات نو نصیب ہو اور تمہاری وہ بھولی بسری کیفیات جن کو مادی دنیا نے تم سے چھین لیا ہے از سرنو تم کو میسر آ جائیں۔

- ایک دوسری جگہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا زنورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است!

Marfat.com

ترجمہ: ''تو کائنات کی ہر چیز کو رنگین اور خوشبو سے معطر دیکھ سکتا ہے کہ ہر چیز کی ایک ہی خواہش ہے کہ مجھے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ملے۔ بعض چیزیں اپنا حصہ پا کر منور ہو گئی ہیں جبکہ کچھ چیزیں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ہیں۔''

۵۱ حضرت علامہ محمد اقبال اپنے کلام ''جاوید نامہ'' میں ہمیں یہ پیغام دینے کے خواہش مند ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت سے تمام جہانوں کیلئے باعثِ رحمت و سرفرازی ہیں۔ ان کی رحمت کسی ایک دور کسی ایک دنیا تک محدود نہیں۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کو رب العالمین یعنی تمام دنیا کا مربی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا نشان اب بھی ظاہر ہے اسی طرح رسول کریم کی نبوت اور رحمت کا چشمۂ فیض بھی ابد تک جاری و ساری رہے گا۔ اس کائنات کو رسول کریم کا نورِ قدر و منزلت حاصل ہے اور آئندہ عوام بھی اس کے پیش کردہ نظام سے فروغ گیر ہوتے رہیں گے۔

۵۲ ڈاکٹر علامہ اقبال نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں دو شعر ایسے کہے ہیں جو اتنے بلیغ، جامع اور شاندار ہیں کہ طویل نعتوں میں جو مضامین بیان کئے جائیں وہ سب یہاں مختصر الفاظ میں سمو دیئے گئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

۵۳ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے کردار کی ایک نمایاں خوبی احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید جذبہ ہے۔ مسلم تصوف کے اولین دور کے یہ دو بزرگ اُسوۂ رسول اور احترامِ نبی کیلئے بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ارمغانِ حجاز'' کے عنوان ''حضور رسالت'' کی

Marfat.com

ابتداء میں عزت بخاریؒ کا یہ شعر لکھتے ہوئے ان دونوں بزرگوں کی عقیدتِ رسول پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

بارگاہ رسالت آسمان کے نیچے عرش سے زیادہ نازک ادب گاہ ہے۔
یہاں پر جنید بغدادی اور بایزید بھی دم بخود ہو کر آتے ہیں۔
جبکہ عزت بخاریؒ کا اصل شعر یوں تھا:

ادب گاہیست در زیرِ زمیں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

• اس میں شک نہیں کہ عزت بخاری عرش و فرش کا تقابل کر کے زمین کی برتری ثابت کرنے کے علاوہ اصل حقیقت (یعنی تدفین نبی اکرم) کے قریب رہنا چاہتے تھے مگر اس تقابل سے جو سوءِ ادب کا قرینہ پیدا ہو رہا تھا اس کی جانب ان کا دھیان نہ گیا ہو گا۔ اقبال نے اس ترکیب کو ''زیرِ آسماں'' سے بدل کر شعر میں ایک عروجی اور عمودی رخ پیدا کر دیا۔ روایت ہے کہ سید نذیر نیازی نے جب اقبال کے حضور عزت بخاریؒ کا صحیح شعر پڑھا اور ان کے تصرف کی جانب توجہ دلائی تو اقبال نے بے ساختہ کہا دراصل شاعر کہنا اسی طرح چاہتا تھا جیسا میں نے کہا ہے۔

۵۴ علامہ اقبال بجا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس بندۂ خاص کی حقیقت ہماری محدود اور ناقص عقل سے بالاتر ہے۔ ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشریت کے مقامِ رفیع پر کھڑے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف وہ حسنِ مطلق کا عکسِ جمیل بھی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان ایک لاجواب رابطہ ہیں ۔ اگر آپ کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہو تو وہ ''نور'' دکھائی دیتے ہیں اور جب آپ کا تعلق انسانوں کی دنیا سے ہو تو وہ ہمیں بے مثال ''بشر'' نظر آتے ہیں۔ آپ کی ذات منبع برکات اور فیوضات ہے۔ الہام و وحی کے حامل ہونے کے طور پر وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ربط و وصل کا عظیم ترین ذریعہ ہیں۔

Marfat.com

۵۵ رسول کریم کی روحانی حقیقت کے بارے میں چند احادیث نبوی بھی موجود ہیں۔ ایک حدیث قدسی کے یہ الفاظ ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (محبوب) اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کی تخلیق نہ کرتا۔ اس طرح ولادتِ مصطفیٰ اس کائنات کی تخلیق کا مقصد عظیم ہے۔ آنحضرت کا ارشاد گرامی ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا جس وقت کہ آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ ان دو احادیث کو پیشِ نگاہ رکھتے ہوئے علامہ اقبال نے سرورِ کائنات اور فخر موجودات کو دنیا ومافیہا کی پیدائش کا سبب اور آدم سے پہلے موجود ہونے کے تصور پر روشنی ڈالی ہے وہ آنحضرت کے مقام خاص کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عام انسان تو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے طالب رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو شب معراج میں بلا کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ خود اپنے محبوب کے دیدار حقیقی کے منتظر تھے۔ مزید براں علامہ محمد اقبال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر تسلیم کرتے ہیں اور بطور دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ ''اے محبوب! جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو آپ نے نہیں بلکہ ہم نے وہ کنکریاں پھینکی تھیں۔'' جب مومن کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا، زندہ رہنا اور مرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو جائے تو اس کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کا فعل بن جاتا ہے۔ اور ہر کام خدائی مشیت سے ہم آہنگ ہو کر خدائی کام کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندہ خاص یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بلند ترین منصب ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی تصنیف ''فتوح الغیب'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''بعض آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے بنی آدم میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں جس چیز سے کہہ دیتا ہوں ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے، میری اطاعت کر! تو بھی جس چیز کو کہے گا ہو جا! وہ ہو جائے گی۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے اکثر انبیاء، اولیاء اور بنی آدم میں اپنے کئی دوسرے مقبول بندوں کو یہی مقام عطا فرمایا ہے اور بقول علامہ اقبال ؎

''ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ''

۵۶ ایک موقعہ پر ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ کبھی کبھی کچھ لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر قرآن مجید کی بعض آیات کے بارے میں استفسار کیا کرتے تھے باوجود اس کے کہ قرآن ان لوگوں کی مادری زبان میں تھا۔ لیکن پھر بھی بعض مقامات ان کے ذہن میں واضح نہیں تھے۔ چنانچہ آپ وقت اور ضرورت کے مطابق تفسیر بیان کر دیتے تھے۔ صدیوں بعد ہمارے چوٹی کے علماء نے تفسیریں لکھیں اور ان تفسیروں میں بعض ایسے مطالب بھی آئے جو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے قدرے مختلف تھے۔ لیکن یہاں یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مطالب آپ سے پوشیدہ تھے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اس لئے کہ قرآن پاک تو آپ پر نازل ہوا تھا اور آپ کا ذاتی تجربہ تھا۔ لیکن موقع اور حالات کے مطابق آپ معانی بیان فرما دیتے تھے۔ ورنہ کلام پاک کا ہر معنوی گوشہ آپ کے تحت الشعور میں موجود تھا۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ قرآن حکیم ہر زمانے میں ہماری ضرورت کے لئے کافی ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ اس لحاظ سے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں سے واقف تھے، میں انہیں عالمِ غیب سمجھتا ہوں۔ (علامہ اقبال سے آخری ملاقات، صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم)

۵۷ روزگار فقیر میں ''گمنام خط'' کے عنوان سے ایک واقعہ مذکور ہے کہ ۱۹۲۰ء کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کے نام ایک گمنام خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار مبارک میں تمہاری ایک خاص جگہ ہے جس کا تم کو کچھ علم نہیں ہے۔ اگر فلاں وظیفہ پڑھا کرو تو تم کو بھی اس کا علم ہو جائے گا۔ اس شخص نے وظیفے کے الفاظ بھی اس خط میں لکھے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خیال سے کہ کاتب خط نے اپنا نام نہیں لکھا اس گمنام خط کی طرف توجہ نہ دی اور وہ ضائع ہو گیا۔

Marfat.com

● اس خط کے کچھ عرصہ کے بعد کشمیر سے ایک پیرزادے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لئے آئے اور ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے خیال کیا کہ شاید یہ شخص مصیبت زدہ اور پریشان حال ہے۔ انہوں نے شفقت آمیز لہجے میں حال پوچھا تو وہ بولا کہ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت فضل ہے، مزید پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں ہری نگر کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں وہاں میں نے ایک دن عالمِ کشف میں نبی کریم کا دربار مبارک دیکھا۔ صف نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو حضور سرورِ کائنات نے دریافت فرمایا کہ محمد اقبال آیا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ محفل میں نہ تھے، اس کے بعد ایک بزرگ اقبال کو بلانے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آدمی ان بزرگ کے ساتھ نمازیوں کی صف میں داخل ہو کر حضور کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ اس پیرزادے نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے آج سے پہلے نہ تو آپ کی شکل دیکھی تھی اور نہ ہی آپ کا نام و پتہ جانتا تھا۔ کشمیر میں ایک بزرگ مولوی نجم الدین صاحب ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے آپ کا نام لے کر آپ کی بہت تعریف کی کیونکہ آپ کی تحریروں کے واسطے سے وہ آپ کو خوب جانتے تھے۔ گو انہوں نے بھی آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس دن سے مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی میری آنکھیں اس لئے بے اختیار اشک بار ہو گئیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے کشف کی عالم بیداری میں تصدیق ہو گئی کیونکہ جو شکل میں نے حالت کشف میں دیکھی تھی آپ کی شکل و شباہت ٹھیک اس کے مطابق ہے سرِ مو فرق نہیں ہے۔ پیرزادے کی زبان سے یہ گفتگو سن کر ڈاکٹر صاحب کو وہ گمنام خط یاد آ گیا جس میں وظیفہ بھی لکھا تھا۔

۵۸ ڈاکٹر صاحب اپنے فارسی کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں۔

گر دلم آئینہ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است

اے فروغت صبح اعصار و دہور
چشم تو بینندۂ ما فی الصدور
پردۂ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں راز خارم پاک کن
تنگ کن رخت حیات اندر برم
اہل ملت را نگہدار از شرم
سبز کشت نا بسا ما نم مکن
بہرہ گیر از ابر نیسا نم مکن
خشک گرداں بادہ در انگور من
زہر ریز اندر مئے کافور من
روز محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسہ پا کن مرا

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرے دل کا آئینہ بے جوہر ہے اور میرے کلام میں قرآن کے سوا کوئی اور چیز مضمر ہے، آپ کا نور تو زمانوں کی صبح ہے اور آپ کی آنکھ سینے کے رازوں کو دیکھنے والی ہے، آپ میرے ناموسِ فکر کا پردہ چاک کر دیجئے اور اس باغ کو مجھ جیسے کانٹے سے پاک کر دیجئے، میرے وجود پر زندگی کا لباس تنگ کر دیجئے اور اہلِ ملت کو میری شاعری کے شر سے محفوظ رکھئے، میری سبز کھیتی کو سرسبز نہ کیجئے اور ابرِ بہار سے مجھے حصہ نہ دیجئے، میرے انگور کے اندر کی شراب کو خشک کر دیجئے اور میری کافوری شراب کے اندر زہر ڈال دیجئے، روزِ محشر مجھے ذلیل وخوار ٹھہرا دیں اور اپنے پائے مبارک کے بوسے سے محروم فرما دیں۔

- اور اس کے بعد نبی کریمؐ سے عرض کرتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے کلام میں صرف قرآن کی ہی طرف بلایا ہے تو پھر اتنی درخواست ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں میرے لئے دعا

Marfat.com

کیجئے کہ میرا عشق عمل سے ہم آہنگ ہو جائے اور پھر سرکار مدینہؐ کے سامنے بڑے ادب کے ساتھ اپنی ایک دلی آرزو پیش کرتے ہیں۔

- علامہ کی یہ دعا اس قدر رقت آمیز ہے کہ کوئی صاحبِ دل بغیر چشم نم کئے بغیر اسے ختم نہیں کرسکتا۔

> ''چونکہ میری زندگی اعمال صالحہ سے خالی ہے اس لئے مجھے یہ آرزو زیب تو نہیں دیتی (مگر) آپ کی شان رحمت تو گیتی نواز ہے (اس لئے) آرزو کرتا ہوں کہ میں حجاز میں وفات پاؤں اور اگر میرے جسم کے اجزاء آپؐ کے دروازے سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں تو اگرچہ میری موجودہ زندگی قابلِ افسوس ہے مگر آئندہ زندگی تو قابلِ تحسین ہو جائے گی۔ میرے ستارے (مقدر) کو دیدہ بیدار عطا فرما اور اپنی دیوار کے سائے میں دو گز زمین عطا فرما۔''

۵۹ ''اقبال درِ دولت پر'' کے عنوان سے جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب ''نقوش اقبال'' میں اس عربی تقریر کا ترجمہ پیش کیا ہے جو اقبال فی مدینۃ الرسول کے عنوان سے ۱۹۵۶ء میں دمشق ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی گئی تھی اور اس کا ترجمہ مولوی محمد الحسنیؒ مدیر البعث الاسلامی کے قلم سے ہے اس کے کچھ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

- ڈاکٹر محمد اقبال کی پوری زندگی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یادِ مدینہ سے معمور تھی، ان کا زندۂ جاوید کلام ان دونوں کے تذکرے سے بھرا ہوا ہے، لیکن زندگی کے آخری ایام میں یہ پیمانۂ عشق اس طرح لبریز ہوا کہ مدینہ کا نام آتے ہی اشکِ محبت بے ساختہ جاری ہو جاتے، وہ اپنے اس کمزور جسم کیساتھ یقیناً مدینۃ الرسول میں حاضر نہ ہو سکے لیکن اپنے مشتاق اور بے تاب دل، نیز اپنی قوتِ تخیل اور زورِ کلام کیساتھ انہوں نے حجاز کی وجد انگیز فضاؤں میں بار بار پرواز کی اور ان کا طائرِ فکر ہمیشہ اسی آشیانہ یا آستانہ پر منڈلاتا رہا۔

- انہوں نے عالم خیال میں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا ہے اور اس تصور کے ساتھ وہ قافلۂ شوق کے ہمراہ نرم ریگستانی زمین پر رواں دواں ہیں، ذوقِ حضوری اور شوق و

محبت میں یہ ریت ان کو ریشم سے بھی زیادہ نرم محسوس ہو رہی ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ہر ذرّہ دل بن کر دھڑک رہا ہے، وہ ساربان سے کہتے ہیں کہ ان دھڑکتے ہوئے دلوں کا خیال کرے اور نرم روی اختیار کرے۔ پھر وہ اسی عالم تصور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں حاضر ہوتے ہیں، درود وسلام پڑھتے ہیں ،محبت وشوق کی زبان ان کے دل کی ترجمان بن جاتی ہے اور وہ اس مبارک وقیمتی ساعت سے فائدہ اٹھا کر اپنا حالِ دل بیان کرتے ہیں، ملتِ اسلامیہ اور عالم اسلام کے حالات، اس کے مسائل اور مشکلات اس کی آزمائشیں اور امتحانات، نیز مغربی تہذیب اور مادی فلسفوں اور تحریکوں کے سامنے اس کی سرافگنی اور بے بسی، اپنے وطن میں اس کی غریب الوطنی اور خود اپنی قوم میں اپنے پیغام کی ناقدری کا شکوہ کرتے ہیں، کبھی ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں اور کبھی دل کی بات زبان پر آجاتی ہے۔

● اس مجموعۂ اشعار کا نام انہوں نے ''ارمغانِ حجاز'' رکھا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ پورے عالم اسلام کے لئے بہت مبارک تحفہ اور نسیمِ حجاز کا ایک مشکبار جھونکا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ میری زندگی کا آفتاب لبِ بام ہے اگر میں نے مدینہ منورہ کا (جو روح کا اصل مسکن اور مؤمن کا حقیقی نشیمن ہے) قصد کیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے، جس طرح شام کے وقت چڑیاں اپنے اپنے آشیانہ کی طرف جاتی ہیں، اسی طرح میری روح بھی اب اپنے حقیقی آشیانہ کی طرف واپس جانا چاہتی ہے۔ مکہ معظّمہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان جب ان کی اونٹنی اپنی رفتار تیز کر دیتی ہے تو وہ اس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ سوار بہت خستہ و بیمار ہے، لیکن ناقہ ان کے اس مشورہ کو قبول نہیں کرتا وہ ایسا مستانہ وار قدم رکھتا ہے، گویا یہ ریگ زار نہیں بلکہ ریشم کا ایک فرش بچھا ہوا ہے۔ اب یہ کاروانِ مدینہ درود و سلام کی سوغات لئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، اس پرکیف فضا میں وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ان کو اس گرم ریت پر ایک ایسا سجدہ میسر ہو جو ان کی پیشانی کا نقش دوام بن جائے، وہ اپنے دوستوں کو بھی اسی سجدۂ شوق کا مشورہ دیتے ہیں۔ سرور وشوق اور کیف ومستی کے ساتھ وہ سارا راستہ طے کرتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچتے ہیں، اور اپنے رفیق سفر سے کہتے ہیں کہ ہم

Marfat.com

دونوں ایک ہی زلف کے اسیر ہیں، آج ہم کو اپنے دل کی مراد بر لانے اور اپنے آقا اور محبوب کے قدموں پر اپنی پلکیں بچھانے کا موقع ملا ہے، اسلئے آج ہمیں اپنی آنکھوں پر سے پابندی ہٹا لینی چاہئے، اور اس سیلابِ اشک کو جو عرصہ سے امنڈنے کیلئے بے چین ہے، تھوڑی دیر کیلئے آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔

- وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے ہیں، آپ کا حکم اور فرمان تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو زندگی اور بقاء و دوام کا پیغام پہنچاؤں، لیکن یہ ناحق شناس مجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ عام اور پیشہ ور شعراء کی طرح میں لوگوں کی تاریخ وفات نکالتا اور قطعہ تاریخ کہتا رہوں۔

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد ﷺ کا تجھے پاس نہیں

- آخر میں وہ سلمان ابن سعود کو خطاب کرتے ہیں، لیکن ان کا روئے سخن دراصل تمام عرب بادشاہوں اور عالمِ اسلام کے سربراہوں کی طرف ہے، اس میں انہوں نے غیر ملکیوں پر اعتماد کے نتائج سے آگاہ کیا ہے، اور ان کے بجائے خدا پر اور اس کے بعد خود پر بھروسہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر طناب تمہاری ہے تو جہاں چاہو اور جس وقت چاہو اپنا خیمہ گاڑ سکتے ہو اور ہر جگہ منزل بنا سکتے ہو اور اگر وہ نہیں تو پھر مستعار لے کر تم آزادی کے ساتھ کوئی قدم نہیں بڑھا سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذرا اپنے کو پہچاننے کی کوشش کرو، اس روئے زمین میں تم کو وہ مقام حاصل ہے جس کی شام دوسروں کی سحر سے زیادہ آئینہ فام ہے۔

٦٠ اقبالؒ اپنے پانچویں خطبے ''مسلم ثقافت کی روح'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''پیغمبرِؐ اسلام قدیم اور جدید دنیا کے درمیان کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے پیغام کے مآخذ کے لحاظ سے وہ قدیم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اس پیغام کی روح انہیں جدید دنیا سے وابستہ کرتی ہے۔ ان کی ذات میں زندگی نے اپنی جدید رہنمائی کے لئے پہلے سے مختلف ذرائع علم دریافت کئے ہیں۔''

Marfat.com

• حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مقصد خالصتاً انسانی معاشرہ کو وجود میں لا کر نصب العین، قیادت، اطاعت، آئینِ حیات، راہِ عمل، غرض ہر چیز کو ایک مرکز پر مرتکز کرنا تھا اور یہ مقصد آپ ﷺ نے پورا کر دیا اور آپ کی ذات کے ساتھ نبوت اپنے کمال کو پہنچ گئی اور وہ مقصد پورا ہو گیا جس کے لئے اس ادارے کی ابتدا ہوئی تھی۔

۶۱ ایک دفعہ حکیم احمد شجاع علامہ سے ملنے کے لئے ان کے ہاں گئے تو دیکھا کہ آپ بہت مغموم اور فکرمند ہیں۔ حکیم صاحب نے گھبرا کر پوچھا۔ خیریت تو ہے کہ آج آپ خلافِ معمول بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آ رہے ہیں۔ علامہ نے اپنے خاص انداز سے نظریں اوپر اٹھائیں اور کہا:

> ''احمد شجاع یہ سوچ کر میں بہت پریشان ہوں کہ کہیں میری عمر رسولِ خدا کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے۔''

• تاریخِ پیدائش کے مطابق عیسوی حساب سے ڈاکٹر صاحب کی عمر ۶۰ سال اور ہجری حساب سے ۶۳ سال بنتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک عیسوی کیلنڈر کے حساب سے ۶۱ سال اور ہجری کے حساب سے ۶۳ سال بنتی ہے۔ یعنی پیدائش مبارک ۲۰/اپریل ۵۷۱ء بروز پیر اور وصال مبارک ۸/جون ۶۳۲ء بھی بروز پیر۔ اس حساب سے حضور کی عمر مبارک ۶۱ سال ایک مہینہ اور ۱۸ دن بنتی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عمر یعنی پیدائش ۹/نومبر ۱۸۷۷ء اور وفات ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کی رو سے ۶۰ سال ۵ مہینے اور ۱۲ دن بنتی ہے۔

۶۲ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اسوہ حسنہ دنیا کی ہدایت کے لئے پیش کیا اور سارے انسانوں کو اخوت اور مساوات کی لڑی میں پرو دیا۔ آپ جس قبیلہ کے تھے یعنی قریش وہ اپنے آپ کو عرب کے تمام قبیلوں سے حسب اور نسب میں بڑھ کر سمجھتا تھا اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اور خانہ کعبہ کا متولی و امام ہونے کی وجہ سے سارے اہلِ عرب بھی اس کو اپنے سے زیادہ معزز اور شریف مانتے تھے۔ لیکن آنحضرت نے اس سارے نسلی فخر و غرور کو مٹا دیا۔ ۱۰ھ میں حجتہ الوداع کے خطبہ میں ملتِ اسلامیہ کو جو وصیتیں کیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ:

''نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر، سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔''

۶۳ سرورِ عالم کی یہ کیفیت تھی کہ ہر انسان کے ساتھ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس محبت کا سلوک کرتے تھے کہ ہر ایک آپ کو اپنے شفیق باپ سے بڑھ کر سمجھتا تھا جو کوئی ملنے کے لئے آتا آپ اس کی تعظیم کرتے۔ اور جب تک وہ اٹھنے کی خواہش نہ کرتا خود نہ گھبراتے۔ اکثر اپنا گدا یا کمبل اس کے لئے بچھا دیتے اور جو ملتا سلام اور مصافحہ میں اس سے پیش دستی کرتے۔ جب کسی کو بلاتے تو اس کا وہ نام لیتے جو عزیز ترین ہوتا۔ کسی کی بات کو جب تک وہ ختم نہ کرلے بیچ میں سے نہیں کاٹتے تھے۔ نماز پڑھنے میں اگر کوئی ضرورت مند آجاتا تو اس کے خیال سے نماز کو ہلکی کر دیتے۔ ہر شخص کی عزت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ صحابہؓ میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ مجھ سے زیادہ آپ کسی کو نہیں چاہتے۔ کوئی شخص آپ کی ذات سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ فقراء اور مساکین کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ان کے ساتھ بیٹھتے۔ ان میں سے کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کیلئے جاتے۔ کوئی ان میں سے اپنی دعوت میں آپ کو بلاتا تو خوشی سے شریک ہوتے اور خود ان کی دعوتیں کرتے اور جب کوئی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا تو منع فرماتے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ ایسا نہ کرو۔ اپنے اصحاب میں اس طرح مل جل کر بیٹھتے تھے کہ اجنبی شخص امتیاز نہیں کرسکتا تھا کہ ان میں سے رسول اللہ کون ہیں۔

۶۴ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غارِ حرا میں داخل ہوئے تو محمد بن عبداللہ تھے، جب نکلے تو محمد رسول اللہ تھے۔ لیکن تفویضِ رسالت سے پہلے بھی محمد بن عبداللہ کی زندگی کا محور اللہ کی ذات تھی۔ جو منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، ان کی رگ رگ، روئیں روئیں اور نفس نفس میں سما چکا تھا۔ ''من تو شدم تو من شدی'' کی اس سے مکمل عملی تفسیر دنیا کبھی پیش نہ کر سکے گی۔ قرآن پڑھیں تو بعض جگہ یوں لگتا ہے جیسے دو محبت کرنے والوں میں دل کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کہیں محبت کا اظہار ہو رہا ہے، کہیں تسلی دی جا رہی ہے، کہیں تعریف کی جا رہی ہے، کہیں خوش خبری دی جا رہی ہے، کہیں معمولی

لغزشوں پر ٹوک کر درگزر کیا جا رہا ہے اور کہیں دوست پر سلام بھیجا جا رہا ہے۔ سلام بھیجنے والا کون؟ اور دوست بھی کیسا! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیکھنے میں تو گوشت پوست کے ایک انسان لگتے تھے لیکن حقیقت میں اللہ کا ایک جامع پروگرام تھے۔ جو کمپیوٹر کے پروگرام کی طرح ان کے دل، دماغ اور روح میں جذب کر دیا گیا تھا اور انہیں ہر لمحے کنٹرول کرتا تھا کیونکہ ان کے بھیجنے والے نے اس مبارک ہستی کو ایک خاص مقصد کیلئے اس جہان فانی میں بھیجا تھا۔ ان کا ہر قول اور ہر فعل اللہ کی طرف سے تھا اور انہیں یہی علم تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جب یہ فیصلہ کرنے کا وقت آیا کہ وہ مدینے میں کس کے مہمان ہوں گے تو زبان سے نکلا کہ جہاں بھی میری اونٹنی بیٹھ جائے، اونٹنی جہاں بیٹھی وہاں ایک نالے، چند قبروں اور کچھ درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن اونٹنی کے بیٹھنے کے بعد، چودہ سو سال سے لاکھوں نہیں، کروڑوں نہیں اربوں کی تعداد میں دنیا کے ہر کونے سے، ہر عمر، رنگ، زبان، ملک اور قوم کے انسان، ہر قسم کی سواریاں دوڑاتے، اس مختصر سی جگہ کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھنے کیلئے رواں دواں رہے ہیں اور انسان کی بات محض اسلیئے کی جا رہی ہے کہ انسانی آنکھ ابھی انسانوں ہی کو دیکھ سکتی ہے۔

۶۵ اسی طرح چند سال بعد جب حدیبیہ کے مقام پر یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اسلامی لشکر کہاں پڑاوَ ڈالے تو پھر یہی فرمایا کہ جہاں میری اونٹنی بیٹھ جائے، اونٹنی جہاں بیٹھی وہاں نہ سواری کے لئے پانی تھا نہ سواروں کے لئے۔ ساتھیوں کو قدرتی طور پر تشویش ہوئی لیکن سوار کے اترتے ہی پانی بھی مل گیا اور وہ معاہدہ بھی ترتیب پایا جسے رب العالمین نے ''فتح مبین'' قرار دیا۔ فیصلہ نہ اونٹنی کر رہی تھی، نہ وہ۔ فیصلہ تو کوئی اور ہی کر رہا تھا! سچ تو یہ ہے کہ گو کہ ہر سچ کی طرح اس سچ میں بھی بہت مشکل ہے کہ جب انسان اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کے ہاتھ میں اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اللہ کے فیصلے انسان کے فیصلے ہو جاتے ہیں اور انسان کے فیصلے اللہ کے فیصلے بن جاتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اللہ کے کلام کے مطابق اسوۂ حسنہ تھی۔ قرآن کے الفاظ میں آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر تھے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں قرآن آپ کا اخلاق تھا۔ ایک قرآن وہ ہے جسے ہم اور آپ دیکھتے، سنتے اور پڑھتے ہیں۔ ایک قرآن وہ تھا جو مکے کے

Marfat.com

بازاروں اور مدینے کی گلیوں میں پھرتا تھا۔ جو خانہ کعبہ میں ملتزم سے لپٹ کر، بچوں کی طرح، بلک بلک کر روتا تھا۔ جو تپتے بخار کی حالت میں، رات رات بھر، جنت البقیع میں، اپنے اُمتیوں کی قبروں پر گڑگڑا کر ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا تھا، جو معصوم بچوں کو کبھی اپنے سینے سے چمٹاتا، تو کبھی ان کے لئے سواری بن جاتا۔ مبارک ہیں وہ آنکھیں جنہوں نے اسے دیکھا، مبارک ہیں وہ کان جنہوں نے وہ پیاری آواز سنی، مبارک ہیں وہ دل جن کی دھڑکنوں میں وہ آج بھی بس رہے ہیں۔ ان سے بڑا انسان نہ ان سے پہلے پیدا ہوا، نہ ان کے بعد پیدا ہوا، اور نہ ہوگا۔ وہ صرف خاتم النبیین ہی نہ تھے، رحمۃ للعالمین بھی تھے اور یہ الفاظ خود رب العالمین کے ہیں۔ اللہ نے صرف اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہی بلند نہ کیا، بلکہ جس نے بھی اللہ کے حبیب کو اپنا محبوب جانا اس کا بھی ذکر بلند کیا۔

٦٦ حبشی بلال کو ویسے بھلا کون جانتا اور موذنِ اسلام بلال رضی اللہ عنہ کو کون مسلمان ہے جو نہیں جانتا۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم کی شہرت اگر ہوتی بھی، تو صرف اپنے قبیلے، علاقے یا زمانے تک محدود رہتی۔ لیکن اس یتیم بچے کی مقناطیسی قوت اور کیمیا گری ہی کا اثر تھا کہ جو بھی کھچا چلا آیا، نام پا گیا اور جو جتنا قریب آتا گیا اس کے نام کو اس جہاں میں اتنی ہی جلا ملی اور دو جہاں میں اتنا ہی اونچا مقام ملا۔ خطاب کا غصیلہ بیٹا ننگی تلوار سونتے قتل کرنے آتا ہے لیکن اللہ کا حبیب اسے اپنے اللہ سے، اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے مانگ چکا ہے۔ تلوار نیام میں چلی جاتی ہے، جب نکلتی ہے تو اسلام کی تلوار بن جاتی ہے، آدھی دنیا پہ چھا جاتی ہے اور رہتی دنیا تک یاد رہتی ہے۔ عمر بن خطاب امیر المومنین عمر فاروق بن جاتے ہیں اور قبیلہ بنو عدی کے اس فرد کا نام، صرف اسلام کی نہیں، دنیا کی تاریخ کے عظیم ترین حکمرانوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

٦٧ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے محبوب سے فرمایا کہ "آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔" یہاں پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی محبوبیت کی خبر دی ہے کہ جس سے بڑی شان محبوبیت دوسری نہ ہوئی ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ یہ وہ شان ہے جس کی بنا پر نبی کریم کو بجا طور پر رحمۃ للعالمین بھی کہا

Marfat.com

گیا ہے اور محبوب رب العالمین بھی باور کیا گیا ہے۔ اگر کسی جگہ یوں فرما دیا جاتا کہ اے پیغمبر آپ ہمارے محبوب ہیں تو اس میں وہ بات اور وہ خوبی نہیں ہو سکتی تھی جو اس آیت میں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ تو محبوب خدا ہیں ہی ہم تو آپ کے صدقے میں آپ کے ہر پیروکار کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب بنانے کے لئے آپ کی غلامی کو شرطِ اول قرار دیا۔ بھلا دیکھئے تو (آپ کی شانِ محبوبیت کہ آپ کے طفیل سینکڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ اربوں کھربوں اور وہ بھی قیامت تک آنے والے اطاعت شعار امتی بھی محبوب خدا بن گئے۔) کتنی بڑی شان ہے سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک، سبحان اللہ!۔ سبحان اللہ!۔ سبحان اللہ!۔

• ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ عالم مشاہدہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا:

''اے رابعہ تیرے دل میں میری محبت کتنی ہے؟''

حضرت رابعہؒ نے عرض کیا:

''میرے ماں باپ فدا۔ وہ مؤمن کیسے رہ سکتا ہے جس کے دل میں آپ کی محبت نہ ہو، مگر میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔ اس لئے کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز رہتا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''رابعہ فکر مت کر اللہ کی محبت میری محبت ہے۔'' (ملفوظات شاہ محمد ذوقی)

۶۸ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب سے مخاطب کرنے کا طریقہ بتلایا۔ سرکارِ دو عالم کی محفل میں بیٹھنے کے اسلوب سکھائے اور فرمایا کہ ان کے پاس اتنی دیر نہ بیٹھو کہ تمہارا بیٹھنا ان پر گراں گزرے اور ساتھ ہی بلند آواز سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم کو یاد کرنے کیلئے بھی آپ کو مشقت کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی بلکہ رب کریم نے خود ہی اس کا اہتمام بھی کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ رسول کریم کے حضور میں آواز کو بلند نہیں کرنا چاہئے نہ ہی

Marfat.com

زندگی میں اور نہ ہی وصال کے بعد۔ صحابہ کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم کا ادب اور تعظیم کس طرح کیا کرتے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اگر کسی صحابی کو حضور کے در دولت پر دستک کی ضرورت پڑتی تو وہ اپنے ناخنوں کے ساتھ دروازے کو کھٹکھٹایا کرتا تھا۔ اسلئے کہ حضور کی عزت و توقیر امت پر اللہ تعالیٰ نے فرض کر دی ہے۔ (رحمۃ للعالمین، حصہ دوم)

- اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں مؤمنین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، مقام اور مرتبے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حکم صادر فرمایا:

> ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔''

- مفسرین اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ وہ ادب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو سکھایا گیا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں اہل ایمان آپ کا انتہائی احترام ملحوظ رکھیں۔ کسی شخص کی آواز آپ کی آواز سے بلند تر نہ ہو۔ آپ سے خطاب کرتے ہوئے لوگ یہ بھول نہ جائیں کہ وہ کسی عام آدمی یا اپنے برابر والے سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول سے مخاطب ہیں۔ اس لئے عام آدمیوں کے ساتھ گفتگو اور آپ کے ساتھ گفتگو میں نمایاں فرق ہونا چاہئے اور کسی کو آپ سے اونچی آواز میں کلام نہ کرنا چاہئے۔ یہ آداب اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے، مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو، یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے، یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ذاتِ رسول کی عظمت کا کیا مقام ہے۔ رسول پاک کے سوا کوئی شخص، خواہ بجائے خود کتنا ہی قابل احترام ہو، بہرحال یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کے ساتھ بے ادبی خدا کے ہاں اس سزا کی

Marfat.com

مستحق ہو جو حقیقت میں کفر کی سزا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں ذرا سی کمی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ آپ کا احترام دراصل اس خدا کا احترام ہے جس نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے احترام میں کمی کے معنی خدا کے احترام میں کمی کے ہیں۔

● سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ تہجد کی ہدایت کی اور فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود پر فائز کر دے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت میں ایسے مرتبے پر پہنچا دے گا جہاں آپ محمود خلائق ہوں گے۔ ہر طرف سے آپ پر مدح و ستائش کی بارش ہوگی اور آپ کی ہستی ایک قابل تعریف ہستی بن کر رہے گی۔ اگر آج مخالفین آپ کو تنگ کر رہے ہیں تو وہ وقت دور نہیں جبکہ دنیا آپ کی تعریفوں سے گونج اٹھے گی اور آخرت میں بھی آپ ساری خلق کے ممدوح ہوں گے اور قیامت کے دن آپ کا مقام شفاعت پر کھڑے ہونا بھی اس مرتبہ محمودیت کا ایک حصہ ہے اور پھر سورۃ الضحیٰ میں آپ کے لئے فرمانِ الٰہی ہے کہ یقیناً تمہارے لئے بعد کا دور پہلے دَور سے بہت بہتر ہے اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یعنی آپ کی قوت، آپ کی شان و شوکت اور آپ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا۔ پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے، اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ کو ملے گا وہ اس مرتبے سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ کو حاصل ہوگا اور اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

● اسی طرح سورۃ الم نشرح میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بات اس زمانے میں فرمائی گئی تھی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جس فرد واحد کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہیں اور وہ بھی صرف شہر مکہ تک محدود ہیں اس کا نام دنیا بھر میں کیسے بلند ہوگا اور کیسی ناموری اس کو حاصل ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری سنائی اور پھر ۲۳ سال کے عرصے میں حضور کا ذکر اس طرح بلند ہوا کہ وہی ملک جس میں آپ کی مخالفت بڑی شدت سے ہو رہی

Marfat.com

تھی، اس کا گوشہ گوشہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ کی صدا سے گونج اٹھا۔ پھر آپ کا نام مبارک تمام روئے زمین میں بلند ہونا شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ آج تک بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں مسلمانوں کی کوئی بستی موجود ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اذان بآواز بلند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو، نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جا رہا ہو، جمعہ کے خطبوں میں آپ کا ذکر خیر نہ کیا جا رہا ہو اور سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی دن اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب روئے زمین میں کسی نہ کسی جگہ حضور کا ذکر مبارک نہ ہو رہا ہو۔ یہ قرآن کی صداقت کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے کہ جس وقت نبوت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ و رفعنا لک ذکرک اس وقت کوئی شخص بھی یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ذکر اس شان سے اور اتنے بڑے پیمانے پر ہو گا۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارے ذکر کو بلند کیا میں نے عرض کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا۔''

پوری تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی۔

۶۹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا طرۂ امتیاز عدل و اعتدال ہے ورنہ انفرادی اور اخلاقی اقدار جو ہیں وہ تو سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاں بھی کسی میں کوئی کسی میں کوئی اپنے پورے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ مثلاً زہد و توکل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام، زہد و ورع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، صبر میں حضرت ایوب علیہ السلام، استقامت میں حضرت نوح علیہ السلام، اور تسلیم و رضا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی گردن خود رکھ دینا کہ چھری چلا دیجئے ابا جان۔ اس سے آگے اور کون سے مقامات ہو سکتے ہیں۔ یہ جو مختلف اقدار ہیں وہ پہلی امتوں میں بھی اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ اب اصل میں ضرورت تھی ایک گلدستے کی

جس میں ان تمام اقدار اور اخلاقیات کو سجا دیا جائے اور سمو دیا جائے اور ان میں ایک توازن اور اعتدال ہو اور یہی توازن اور اعتدال اور خصوصیات اصل کمال ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام اقدار کو بہ اہتمام و کمال سجا کر آپ کو ایک گلدستے کی صورت میں نبوت اعلیٰ عطا فرمائی۔

؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

● خدا کی حمد اور تعریف انبیائے سابقہ نے بھی کی۔ مگر احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات میں بھی خدا کی تعریف کو اپنے کمال پر پہنچا دیا اور خدا شناسی کا ایک نیا معیار پیش کیا۔ لہٰذا خدا کا احمد (سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) ہونے کے اعتبار سے بھی کوئی نبی یا رسول، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی و ہم پلہ نہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت کا کمال ہے۔

● قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی ایک شہادت یوں بھی دی ہے کہ اقراً کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی دوسرے نبی یا رسول کو نہیں ملا۔ گویا آپؐ کی تربیت خاص عطائے الٰہی ہے اور یہ تاریخ رسالت میں ایک منفرد اعزاز ہے کہ آپ کی علمی تکمیل بغیر کسی واسطے کے ہوئی اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں کسی کا شاگرد بنائے بغیر تمام دنیا کا اُستاد بنا دیا۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور مقام و مرتبے کے بہت سے مختلف پہلو ہیں۔ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ اور آپ کی عظمت بحیثیت نبی ہے اور ایک آپ کی عظمت اور آپ کا مقام رفیع و بلند بحیثیت انسان ہے۔ پھر انسان کی حیثیت سے ایک پہلو روحانیت کا ہے۔ یعنی آپ کا مقام و مرتبہ روحانی اعتبار سے اور دوسرا پہلو عام انسانی معاملات کا ہے جن میں سے انسان اپنی زندگی کے دوران لامحالہ گزرتا ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس دنیا میں کام کرتا ہے۔

● آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں خطیب ہیں، معلم ہیں، مربی ہیں، مزکی ہیں نہ صرف یہ بلکہ حاکم، سپہ سالار اور قاضی القضاۃ کے بھی فرائض سرانجام دے رہے ہیں

Marfat.com

اس پہلو سے کہ تمام مختلف حیثیتیں جو کہ ایک انسان کی اس دنیا میں ہوسکتی ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مبارک ایک معجزہ ہے کہ جتنی حیثیتوں کا ایک انسان میں تصور کیا جائے وہ ساری کی ساری آپ کی زندگی مبارک میں جمع ہیں۔

- عظمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جو مختلف پہلو ہیں، ان میں بعض پہلوؤں کے اعتبار سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آپؐ کی عظمت کا بیان تو درکنار اس کا ادراک وشعور اور فہم بھی ہمارے لئے ناممکنات میں سے ہے۔ آپ ﷺ کے روحانی پہلو کے مقام و مرتبے کا کچھ تھوڑا سا اندازہ اگر ہوسکتا ہے تو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت معین الدین اجمیریؒ، حضرت علی ہجویریؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو ہوسکتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب آپ کے سامنے نبی کریمؐ کا ذکر مبارک ہوتا تو آپ تعظیم کے باعث جھک جاتے اور جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ، شان وشوکت اور عظمت کا مقام ہے اگر تم اسے جانتے تو ہرگز اپنے دیکھے ہوئے پر سوال نہ کرتے۔
- اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا صحیح صحیح اندازہ ان کو بھی نہیں ہو سکتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا قرب تھا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، ظاہر ہے کہ اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو بالاتر ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ سے بالاتر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، لہٰذا کسی نبی کے لئے بھی یہ محال عقلی ہے کہ نبی کریم کے افضل مقام و مرتبے کو سمجھ سکے۔ کجا کہ کوئی عام انسان یا غیر نبی آپ کے مقام کا تعین کرے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالاتر مقام کسی نبی کو بھی حاصل نہیں۔
- بعض اعتبارات سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واضح کیا ہے کہ یہ تمہارے لئے ناممکن ہے کہ تم ان مقامات کو سمجھ سکو! مثال کے طور پر حضور ﷺ صوم وصال رکھتے تھے۔ صوم وصال یہ ہے کہ آپ نے روزہ رکھا اور شام کو افطار نہیں کیا اور وہی روزہ رات سے گزر کر اگلے دن تک چلا، اور اگر اگلے دن شام کو افطار کیا گیا تو یہ دو دن کا صوم وصال ہوا، اور اگر یہی روزہ تیسرے دن تک چلا تو وہ تین دن کا صوم وصال ہوگا۔ نبی اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم خود صوم وصال رکھتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنے ساتھیوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو یہ روزہ رکھنے سے روکے رکھا۔ اس پر کسی صحابیؓ نے سوال کر لیا۔ حضور آپ تو ایسا کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کون ہے جو میری مانند ہو، میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

اس لئے ہمارے لئے کس طرح ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی اس شب بسری کا تصور کر سکیں جو اللہ کے ہاں ہوتی تھی، اس کی نوعیت اور اس کی کیفیت کیا تھی! وہ کھلانا اور پلانا کس نوعیت کا تھا! معلوم ہوا کہ یہ چیز ہمارے دائرے سے خارج ہے۔ بڑے سے بڑے صوفی اور بڑے سے بڑے ولی اللہ کیلئے بھی ممکن نہیں ہے کہ حضورؐ کے اس روحانی مقام کا پورا پورا ادراک کر سکے۔

• ان دونوں پہلوؤں سے جب ہماری عقلیں، ہمارا فہم اور شعور و ادراک عاجز ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اس کو بیان کرنے کی کوشش کرنا بھی بہت بڑی خطا ہے۔ چنانچہ اگر ہم حضورؐ کے مقاماتِ عالیہ کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے تو شدید خطرہ ہے کہ ہم حضورؐ کی بے ادبی کے مرتکب ہو جائیں۔ اس لئے کہ آپ کے مقام کا کماحقہٗ بیان ممکن نہیں اور جب کماحقہٗ بیان ممکن نہیں ہے تو ہم اپنے تصور کے مطابق بیان کریں گے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام و مرتبہ سے بہت کمتر ہو گا اور اسی کا نام بے ادبی ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے نہایت سادگی کے ساتھ اس ساری بحث کو دو اشعار میں سمو دیا ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے حسن و جمال کے مالک اور اے عالم بشریت کے سردار، آپ ﷺ کے رخ مبارک کے نور ہی سے تو مہتاب کو روشنی حاصل ہوئی ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کا جتنا حق ہے وہ ہمارے لئے ممکن ہی

Marfat.com

نہیں ہے، ہمیں بس یہ کہہ کر اس بات کے دامن میں پناہ لینی ہے کہ
''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' اللہ کے بعد آپؐ ہی کی ہستی عظیم
ترین و بلند ترین ہے، ہم اسے کس طرح اور کیسے بیان کریں؟

- اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی نے سچ کہا تھا:

''جو شخص عام بشریت اور شانِ نبوت میں فرق نہ سمجھ سکتا ہو، اُسے بے بہرہ اور محروم از عقل و حواس کہے بغیر چارہ نہیں۔ اصولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت میں شبہ نہیں، لیکن اس بزرگ ترین نبی کی بشریت کا حساب کتاب خدا کے پاس تو ہو سکتا ہے، کوئی بندہ اِس قابل نہیں کہ اِس حساب کتاب کا دعویٰ دار ہو سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی کمزور بات منسوب کر دے۔'' (فکر و نظر، ڈاکٹر سید عبداللہ)

- ہمارا تصور بلکہ ہمارا تخیل بھی سرنگوں ہے کہ وہ اس بلند و رفیع مقام کا ادراک اور شعور کر سکے۔ اسی بات کو نہایت خوبصورت انداز میں غالب نے بھی بیان کیا ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ﷺ است!

ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء و حمد کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ پر ہی چھوڑ دیا ہے۔ اسلئے کہ وہی ذات پاک ہے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام و مرتبہ سے واقف ہے۔

- آپ ﷺ کی عظمت، مقام و مرتبے کا تو یہ عالم ہے کہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے ایک رباعی کہی جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ آرزو کی تھی کہ اے میرے مولیٰ تو دونوں جہاں سے بے نیاز اور غنی ہے اور میں ایک فقیر اور لاچار انسان ہوں۔ میری عاجزانہ درخواست ہے کہ حشر کے دن میرا حساب کتاب نہ لیجئے گا اور میرا عذر قبول فرما لیجئے گا اور اگر یہ ممکن نہ ہو اور میرا حساب لینا ضروری اور ناگزیر ہو تو میری ایک عاجزانہ درخواست ہے کہ میرا حساب حضور نبی کریمؐ کے سامنے نہ لیجئے گا اور ان

Marfat.com

کی پاک نگاہوں سے اوجھل میرا محاسبہ کیجئے گا اس لئے کہ میں آپ کا سامنا نہ کرسکوں گا۔
علامہ کے اس شعر کو پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔

تو غنی از ہر دوعالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ ﷺ پنہاں بگیر

- ہماری سمجھ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پہلو آ سکتا ہے وہ آپؐ کی عظمت بحیثیت ''انسان'' لیکن اگر اس کا بھی تجزیہ کریں تو بحیثیت انسان بھی جیسا کہ پہلے بیان ہوا آپؐ کی عظمت کے بے شمار پہلو ہیں۔ مثلاً بحیثیت والد آپ کا مقام کیا تھا۔ حضرت سیدہ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق آپ نے فرمایا۔

''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی بار الٰہ فاطمہ تیری کنیز ہے اس سے راضی رہنا۔''

- جب حضرت فاطمہؓ تشریف لاتی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے اور خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی چہیتی بیٹی کا نکاح کیا اور رخصتی کے وقت حضرت علیؓ سے آپؐ نے فرمایا اے علی! پیغمبر کی بیٹی تمہیں مبارک ہو۔ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے آتے تو سب سے پہلے بیٹی حضرت سیدہ فاطمہؓ اور نواسے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھنے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔

- اس تمام کمالِ شفقت اور محبت کے باوجود جب بیٹی فاطمہؓ آپؐ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ابا جانؐ دیکھئے میرے ہاتھوں پر چکی پیس پیس کر گڑھے پڑ گئے ہیں، اب تو عام مسلمان گھرانوں میں خوشحالی آ گئی ہے۔ اس لئے کہ غزوہ خیبر کے بعد مسلمانوں میں فارغ البالی آ گئی تھی، مفلسی کا دور ختم ہو گیا تھا آپ مجھے بھی کوئی کنیز عطا فرمائیں۔ اس تمام شفقت ومحبت کے اور تمام اختیارات اور مکمل حکمرانی کے باوجود آپ نے

Marfat.com

فرمایا بیٹی! یہ چیزیں ہمارے لئے نہیں ہیں میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز دیتا ہوں۔ بیٹی ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، پڑھ لیا کرو (یہ تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہے) یہ بہت بڑی دولت ہے کسی غلام یا کنیز کے مقابلے میں۔ یہ ہے وہ کردار یا مقام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت باپ سامنے آتا ہے۔

● حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آدمی کو حکم دیا ہے کہ بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کریں اور عورتوں کو حکم دیا ہے کہ اپنے خاوندوں کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کسی وجہ سے ناراض ہوکر اپنے والدین کے ہاں چلی آئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا بیٹی! کیونکر آئیں۔ حضرت فاطمہؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری بات بیان کردی کہ حضرت علیؓ نے مجھے ایسے ایسے کہا ہے۔ اس لئے میں ادھر چلی آئی۔ آپ نے فرمایا ''بیٹی! مناسب یہی ہے حضرت علیؓ کے گھر ابھی چلی جاؤ اور ان سے معذرت چاہو۔ بخدا اگر تم آج اس حالت میں فوت ہو جاؤ کہ علیؓ تم سے ناراض ہوں تو میں تمہارا جنازہ نہ پڑھوں گا۔'' آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اور عورت کے درمیان رنجش ہو جایا کرتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مرد سارے کام عورت کی مرضی کے مطابق ہی کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر حضرت فاطمہؓ اٹھیں اور اپنے گھر چلی گئیں۔ جب حضرت علیؓ کو اس سارے واقعہ کا علم ہوا تو قسم کھائی کہ آئندہ کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کروں گا جس سے فاطمہؓ کو رنج پہنچے، دل شکنی ہو۔ ایسا کیوں کہا کیونکہ حضرت علیؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصالحانہ طرزِ عمل سے بہت متاثر ہوئے۔

● بحیثیت شوہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ یہ ہمیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے معلوم ہوگا۔ چنانچہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضور نبی کریمؐ کے پچیس سال سے لے کر پچاس سال کی عمر کے درمیان کہیں پیش آیا کہ حضورؐ ایک دفعہ کہیں مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے گئے۔ مکہ کے باہر پہاڑوں کے درمیان مختلف وادیاں ہیں، ایک وادی میں آپ نے دیکھا کہ کوئی قبیلہ آکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جو انتہائی مفلوک الحال ہے، جن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے، تن پر

Marfat.com

کپڑے نہیں ہیں۔ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ گھر تشریف لائے تو انتہائی ملول اور غمگین نظر آرہے تھے۔حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ میں فلاں وادی میں گیا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہاں ایک قبیلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جس کا حال یہ ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس دولت نہیں ہے کہ میں ان کی مدد کروں۔اس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ آپؐ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو بلا لائیے۔حضورؐ انہیں بلا کر لائے تو اتنی دیر میں حضرت خدیجہؓ نے اشرفیوں کا اتنا بڑا ڈھیر لگا دیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ کر بیٹھے تو اس کے پیچھے چھپ گئے۔حضرت خدیجہؓ نے سردارانِ قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ سب گواہ رہیں، میں نے ساری دولت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی ہے، وہ جیسے چاہیں اسے خرچ کریں۔حضرت خدیجہؓ ایسی بیوی تھیں، جنہوں نے ہر طرح آپ کا ساتھ دیا۔

- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کیا مقام ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیلؑ غارِ حرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ حضرت خدیجہؓ کھانا لے کر آپ کے پاس آ رہی ہیں، جب آپ کے پاس پہنچیں تو ان کو فرمایئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام بھجوایا ہے اور میری طرف سے بھی سلام کہہ دیجئے گا اور جنت کی بشارت دیجئے گا۔رب العالمین کی طرف سے تحفہ سلام کا بھجوانا ایک ایسی سعادت اور فضیلت ہے جو امت میں ان کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

- ایک اور روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ نے اپنی سہیلیوں کو آپ ﷺ کے بارے میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر اپنی قوم میں میرا مرتبہ بلند ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بھی قریش کے قبائل میں ایسا ہی ہے اور ہم سب کا سلسلہ نسب قصی تک پہنچتا ہے اور اگر میں بہت مال دار اور دولت مند ہوں تو مال و دولت محبت کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتی، میں نے اپنی قوم کے بہت سے معزز افراد اور سرداروں کے رشتے ٹھکرا دیئے ہیں کیونکہ مجھے کبھی ان میں سے کسی کی طرف رغبت نہیں ہوئی اور نہ میں نے کبھی یہ سوچا کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ میرا رشتہ زوجیت درست رہ سکتا ہے اور قریش کے ان معزز افراد اور سرداروں میں کوئی مجھے اس قابل نظر نہیں آیا جو اپنی عقل و فکر کے لحاظ سے میری عقل و فکر سے

Marfat.com

بلند تر ہے۔ مگر جب کبھی میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میرا دل ان کی طرف کھچتا ہی چلا گیا اور میرے دل و دماغ پر آپ کی عظمت کے نقوش مرتکز ہوتے چلے گئے۔ (ڈاکٹر طٰہٰ حسین)

- جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے بچپن میں فوت ہو گئے تو بچے کے غم میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت اداس اور غمگین رہنے لگیں تو حضورؐ نے فرمایا:

"خدیجہ! کیا تو اس بات پر خوش نہیں کہ تیرا بیٹا بہت ہی اچھے مقام پر چلا گیا ہے۔ جنت میں اسے حوریں کھلاتی پلاتی ہیں۔ حوریں لوریاں دیتی ہیں، اس عالم ناسوت کی چند روزہ زندگی کے عوض اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کی ابدی زندگی عطا کر دی ہے۔ اس کے باوجود اگر تو چاہے تو میں دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں تیرے بچے کا مقام دکھا دے، تو اسے اپنی آنکھوں سے جنت میں راحت اور آرام کی زندگی گزارتا دیکھ لے۔"

یہ سن کر حضرت ام المؤمنین نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول آپ نے جو فرمایا: اُس پر مجھے اعتبار اور پورا یقین ہے۔"

حضرت خدیجہ کے پاس والوں نے سوال کیا کہ کیوں نہ جنت دنیا میں دیکھ لیتیں اور اس کا مقام بھی دیکھ لیتیں۔ کہنے لگیں کہ اس طرح مجھے اپنی آنکھوں پر یقین ہوتا حضورؐ کی بات کا یقین تو نہ ہوتا۔"

- ازدواجِ مطہرات کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے حسنِ سلوک کے بارے میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں لکھتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شوہر کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے۔ رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سوگئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔ کھانے، پہننے، مکان اور گزارہ اور

Marfat.com

ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرمایا کرتے۔ عموماً بعدِ عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر اُن کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعدِ نمازِ مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔''

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک اپنی خادماؤں کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں ان الفاظ میں آیا ہے۔

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادمہ کو بلایا۔ خادمہ نے آنے میں دیر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر ناراضگی کا اظہار ہوا، اس کے بعد حضرت ام سلمہ نے پردے کے پاس جا کر دیکھا کہ خادمہ کھیل رہی تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک مسواک تھی آپ ﷺ نے خادمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اگر مجھے قیامت کے دن کے بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھ کو اس مسواک سے مارتا۔'' (مقالاتِ سیرت، ۱۹۹۹ء)

- سبحان اللہ خدا تعالیٰ کے خوف کا آپ کے ذہن مبارک پر اتنا غلبہ تھا کہ شکایت اور قدرت رکھنے کے باوجود مسواک جیسی معمولی چیز سے بھی آپ ﷺ کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔

- سید امیر علیؒ اپنی کتاب روح اسلام میں لکھتے ہیں: ''آقاؤں کو اپنے غلاموں سے اتنا ہی کام لینے کی اجازت تھی جتنا از روئے انصاف اُن سے لیا جانا چاہئے تھا اور جتنا ان کی حدِّ مقدور کے اندر تھا۔ اُنھیں تاکید کی گئی تھی کہ غلاموں سے غلام کہہ کر خطاب نہ کریں، بلکہ ''میرا بچہ'' اور ''میری بچی'' کے شفقت آمیز الفاظ سے پکاریں۔ اور اُنھیں اسی طرح کا لباس پہننے کو دیں جیسا وہ خود پہنتے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ کسی حالت میں بھی ماں کو

Marfat.com

بچے سے، بھائی کو بھائی سے، باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے اور ایک رشتے دار کو دوسرے رشتے دار سے جدا کرنے کی اجازت نہ تھی۔"

- حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ آپ کے حسنِ سلوک سے اتنے متاثر تھے کہ اپنے والد کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور آپ ﷺ کی غلامی میں رہنے کو ترجیح دی۔
- خطبہ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "شاہانہ جلوس" کا انداز یہ تھا کہ ایک حبشی "غلام" (حضرت بلالؓ) ناقہ کی مہار پکڑے تھے اور ایک "غلام ابن غلام" (حضرت اسامہؓ بن زید) شریکِ سواری، کپڑا تان کر فرق مبارک پر سایہ کئے تھے۔ اونٹنی پر ایک پالان تھا جس کی قیمت ایک درہم سے زائد نہ تھی۔ خدا کی طرف سے تکمیلِ دین کا اعلان ہو چکا تھا اور یہ دین اپنی عملی شکل میں خدا کی زمین پر نافذ، یعنی نظامِ انسانیت خدا کے مقرر کردہ خطوط پر متشکل۔ وہ نظام جس پر چلنے کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا تھا لیکن جس میں انسان کے خود ساختہ قوانین و دساتیر کی آمیزش نے اس کی ہیئت بدل ڈالی تھی۔ آج اس کی تمام کثافتیں اور آلودگیاں یکسر دور ہو گئیں اور وہ نظام اسی حالت پر آ گیا جس پر اسے خلاق فطرت نے مرتب کیا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

> "زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی نقطہ پر آ گیا جس پر اللہ نے اسے تخلیقِ ارض و سمٰوات کے وقت متعین کیا تھا۔"

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اور آپ کا مرتبہ و مقام بحیثیت ایک سپہ سالار کیا تھا۔ بڑے بڑے فوجی جرنیلوں سے پوچھئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف غزوات میں جو جنگی حکمت عملی اختیار فرمائی اس میں آپ نے کس مہارت کا ثبوت دیا، حالانکہ جنگ بدر سے پہلے آپ نے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، صرف چند مہمات میں شرکت کی تھی۔ باضابطہ جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی، لیکن دنیا دنگ ہے کہ جنگ کی مہارت اور اس کی حکمت عملی کو مرتب و معین کرنے میں آپ نے کس درجے صلاحیت و قابلیت کا ثبوت دیا۔ پھر کسی سے صلح کرنی ہوتی تو صلح کی گفت و شنید (Negotiations) میں آپؐ نے کس مہارت، کیسی واقفیت اور کیسی اہلیت کا مظاہرہ فرمایا۔ صلح حدیبیہ ہو، میثاقِ مدینہ ہو، یا اس سے بھی پہلے

یثرب کے مختلف طبقات کو آپس میں جمع کرنے کے لئے آپؐ نے جو معاہدہ فرمایا، ان معاہدات کا مطالعہ کیجئے، عقلیں دنگ رہ جائیں گی۔

- ایک قاضی القضاۃ کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کیا ہے؟ آج بھی دنیا میں ''قضا'' (Judiciary) کے سلسلے میں جس قدر اصول اختیار کئے گئے ہیں وہ سب کے سب آپ کے عطا کردہ ہیں، مثلاً کسی بھی مقدمے میں ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کیا جائے جب تک کہ فریق ثانی کو بھی سن نہ لیا جائے۔ یہ اصول آپ کا بیان کردہ ہے۔ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا، الزام لگانے والے کو نہیں۔ یہ فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اسی طرح یہ اصول بھی آپ ہی نے بتایا ہے کہ سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن بے گناہ کو سزا نہ ملے۔ عالمی سطح پر ہمارا پورا عدالتی نظام انہی اصولوں پر قائم ہے۔

- اسی طرح ایک داعی کی حیثیت سے آپ علیہ السلام کا کیا مقام ہے؟ ایک مربی کی حیثیت سے آپ کا کیا مقام ہے؟ ایک معلم کی حیثیت سے آپ کا کیا مقام ہے؟ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہماری سمجھ میں آ سکتی ہیں اور ہم ان کا کچھ نہ کچھ ادراک و شعور کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تمام حیثیتوں یعنی داعی، مربی، مزکی کو ایک لفظ میں جمع کر دیں، یعنی ایک انقلاب کے داعی اور انقلاب عظیم کے برپا کرنے والے کی حیثیت سے آپؐ کا مقام کیا ہے؟ گویا کہ ہم جن پہلوؤں سے حضور کی عظمت کو سمجھ سکتے ہیں ان میں سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے جو تبدیلی برپا کی یا اصطلاحاً جو عظیم انقلاب برپا کیا، اس انقلاب کا مطالعہ کیا جائے، اس کا حاصل اور اس کے نتائج مرتب کئے جائیں، اس کے لئے جو جدوجہد ہوئی اس کے بارے میں غور کیا جائے تو واقعتاً حضور علیہ السلام کی اصل عظمت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ چنانچہ یہ ہے آپ کی عظمت کا وہ پہلو جس کا اقرار پوری دنیا نے کیا اور جس کی گواہی پوری دنیا نے دی۔

- اسی سلسلے میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کی کتاب ''The Hundred'' کچھ عرصہ ہوا منظر عام پر آئی، جس میں اس نے پوری معلوم تاریخ انسانی کا جائزہ لیا ہے کہ تاریخ کے سفر کے دوران کن کن شخصیات نے اس تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا ہے۔ اس نے ایسے سو افراد کو چن کر ان پر کتاب لکھی ہے اور ان کے اندر بھی درجہ بندی (Gradation) کی ہے کہ کس

Marfat.com

شخصیت نے سب سے زیادہ تاریخ کے دھارے کو متاثر کیا ہے اور سب سے زیادہ گھمبیر انداز میں اسے موڑا ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ بندی میں سب سے اوپر رکھا ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرے نمبر پر لایا ہے۔ شخصیات کے انتخاب اور درجہ بندی میں مؤلف نے کوئی مذہبی پہلو مدنظر نہیں رکھا، نہ ہی اپنے عقائد کو پیش نظر رکھا ہے، بلکہ اس کا موضوع ہی یہ ہے کہ تاریخ انسانی کے دھارے کے رخ کو موڑنے والی کون کون سی شخصیات ہیں۔ ان شخصیات میں نمبر ایک پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نمبر دو پر نیوٹن اور نمبر تین پر حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔ مسلمانوں میں سے اس نے ایک اور شخصیت کو ان سو کی فہرست میں شمار کیا ہے اور وہ ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

- اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، بلکہ اس نے خود سوال اٹھایا ہے کہ میں ایک عیسائی ہوں اور عیسائی ہوتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نمبر ایک پر کس اعتبار سے رکھ رہا ہوں؟ اس کا جواب وہ خود دیتا ہے۔

"This is because, he is the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels"

یہ بہت معانی خیز جملہ ہے۔ لیکن اسے سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ اس وقت کی عالمی فضا میں انسانی زندگی کو دو جداگانہ گوشوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک مذہب کا گوشہ ہے، اس کا تعلق اجتماعیات سے نہیں ہے، بلکہ صرف افراد سے ہے کہ ہر فرد کو اجازت ہے کہ جس کو چاہے مانے، جس پر چاہے یقین رکھے، ایک خدا کو مانے، سو کو مانے، کسی کو نہ مانے، ہر فرد کو اس کی پوری آزادی حاصل ہے۔ لیکن یہ معاملہ انفرادی ہے۔ دوسری طرف معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کا تعلق زندگی کے سیکولر میدان سے سمجھا جاتا ہے جس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر تو لوگ خود غور کریں گے، ان کے نمائندے بیٹھیں گے اور طے کریں گے، اور وہ بیٹھ کر اکثریت سے جو طے کرلیں وہی سماجی اقدار فروغ پا جائیں گی۔ جو بھی اکثریت سے طے کرلیں کہ یہ سماجی برائیاں ہیں ان کا قلع قمع کریں گے کیونکہ یہ Secular Field of Life ہے۔

Marfat.com

● اب نوٹ کیجئے کہ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کا یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں جتنی عظیم شخصیات ہیں وہ اگر ایک پہلو سے بلندی کی حامل ہیں تو دوسری طرف ان کا سرے سے کوئی مقام نہیں، ممکن ہے وہ کسی معاملے میں صفر ہوں، بلکہ شاید ان کیلئے کوئی Minus Value معین کی جائے۔ مثلاً مشرق میں گوتم بدھ اور مغرب میں حضرت مسیحؑ دونوں کی مذہب اور روحانیت کے میدان میں اور پیروکاروں کی تعداد کے اعتبار سے کتنی عظمت ہے، لیکن ریاست، سیاست اور معاملات ملکی میں انکا کوئی مقام اور کوئی حصہ نہیں، اس میں وہ دونوں صفر تھے۔ اسی طرح دوسری طرف سکندر اعظم ہو یا اور بہت بڑے بڑے حکمران جو دنیا میں گزرے ہیں، یہ سیکولر میدان میں تو بہت بلندی پر ہیں لیکن مذہبی میدان میں اس درجہ پستی کا شکار ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ صفر سے بھی کام نہ چلے بلکہ منفی (Minus) ویلیو لانی پڑے۔ مائیکل ہارٹ کا کہنا یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف اور صرف ایک ہی انسان ہے جو دونوں میدانوں میں انتہائی بلندی پر ہے۔

"He further says and I quoet"

We see, then, that the Arab conquests of the seventh century have continued to play an important role in human history, down to the present day. It is this unparalleled combination of secular and religious influence which I feel entitles Muhammad (S.A.W) to be considered the most influential single figure in human history."

یعنی اور کوئی ہے ہی نہیں، اس کا تقابل کیا ہوگا؟ اور وہ ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۱۷ ''ایک قصیدہ بردہ'' کے نام سے امام شرف الدین بوصیری نے لکھا تھا۔ اس قصیدے کا پورا نام ہے۔ ''كواكب درية فی مناقب خير البرية '' امام بوصیری کو فالج ہو گیا تھا، اور آپ کا نصف بدن بالکل بے حس اور بے کار ہو چکا تھا۔ معذور اور مایوس تھے، اسی مایوسی کے عالم میں آپ نے یہ قصیدہ تحریر کیا، اور ایک شب جمعہ اس کو پڑھ کر سو گئے۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے یہ قصیدہ سماعت فرما کر چادر

Marfat.com

مبارک انعام میں عطا کی، اور امام بوصیری کے جسم پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرے۔ جب بوصیری صبح کو بیدار ہوئے تو بالکل تندرست تھے۔ ضرورت سے خود چل کر بازار گئے۔ جس نے دیکھا تعجب کیا کہ اچانک یہ کیسے تندرست ہو گئے۔ راستے میں ایک درویش ملے۔ انہوں نے بوصیری سے فرمائش کی کہ اپنا نعتیہ قصیدہ سناؤ۔ انہوں نے جواب دیا کون سا قصیدہ۔ میں نے نعت میں بہت سے قصیدہ لکھے ہیں۔ درویش نے کہا کہ وہ قصیدہ جو رات تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تھا اور جس کے صلہ میں تم انعام واکرام سے سرفراز کیے گئے۔ شیخ بوصیری کو بہت تعجب ہوا کہ نہ تو میں نے ابھی کسی کو یہ قصیدہ سنایا ہے اور نہ کسی سے اس خواب کا ذکر کیا ہے۔ درویش نے کہا کہ میں اس وقت دربار رسالت میں موجود تھا جب تم یہ قصیدہ سنا رہے تھے، مگر اب میں حصول برکت کیلئے اسے دوبارہ سننا چاہتا ہوں، اسی دن سے یہ قصیدہ شفائے امراض کیلئے نہایت مبارک شمار کیا جاتا ہے۔ (اقبال اور محبت رسول، طاہر فاروقی)

- عربی کی طرح فارسی اور اردو میں بھی بے شمار شعراء نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، سعدی، خسرو، خاقانی، نظامی، ۔۔ئ، عطار، عرفی، نظیری، جامی، اور دوسرے شعراء نے جملہ اصناف سخن میں نعت گوئی کا حق ادا کر دیا ہے۔ قدسی کی نعت کا یہ شعر ہر ایک کی زبان پر ہے:

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

- شیخ سعدیؒ نے ان چار مصرعوں کے قطعے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب وآداب کا لب لباب جمع کر دیا۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ

اور مرزا اسداللہ خاں غالبؒ نے اسی ادب کو کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

۷۲ قرآنِ حکیم اور احادیث مبارکہ میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں آپ ﷺ ہی نشان امتیاز ہیں اور رسول کی اطاعت کے مطالبے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے جو کہ اصل مقصود ہے۔ کیونکہ رسول اور نبی ہی کرتے ہیں لوگوں کو اس کی ہدایت اور اس کے احکام سے آگاہ۔ اسی وجہ سے جو اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ رسول کی اطاعت کرے کیونکہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ ان احکام کا تعلق صرف آپ کی حیات مبارکہ ہی سے نہیں تھا بلکہ اب بھی جبکہ آپ کی ذات پاک ہمارے درمیان بظاہر موجود نہیں ہے تو آپ کی سنت آپ کے قائم مقام ہے اور اس کی اطاعت بھی آپ ہی کی اطاعت ہے اور اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں پر قائم رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔

اس حقیقت کو قرآن کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۱)

۷۳ وہ لوگ جنہیں رب کریم نے اپنی محبت سے نوازا ہے۔ وہ لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا ہوئی اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی خوشبو کو اپنی جان میں بسایا ہے، وہ بڑے لوگ ہیں کہ اس سے بڑی دولت پوری کائنات میں اور کوئی نہیں۔ ان بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہیں اور ان کے عمل بھی۔ اللہ کے ان پیارے بندوں کی ایک نشانی عجز ہے اور دوسری علامت یہ کہ وہ اپنے ذمے کوئی کام ادھورا چھوڑ کر نہیں جاتے۔ اللہ انہیں اپنے فریضے پورے کرنے کا وقت اور مہلت عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

۷۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی دوسری بنیاد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہماری محبت ہے۔ دین میں وہ ایمان یا اطاعت معتبر نہیں جس کی بنیاد محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ہو۔ محبت بھی محض ظاہری اور رسمی قسم کی مطلوب نہیں بلکہ ایسی محبت مطلوب ہے جو تمام محبتوں پر غالب آ جائے جس کے مقابل میں عزیز سے عزیز اور محبوب سے محبوب تعلقات کی بھی قدر و قیمت نہ رہے، جس کیلئے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جا سکے لیکن خود اس کو کسی قیمت پر نہ چھوڑا جا سکے۔ قرآن مجید میں اس محبت کا معیار یہ بتایا گیا ہے:

اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہاری وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو اللہ تعالیٰ عذاب لے آئے اور وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۃ توبہ، آیت ۲۴)

- اسی حقیقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے احادیث میں بھی واضح فرمایا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ’’کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ کو اپنے باپ بیٹے اور دوسرے تمام عزیز و اقارب سے عزیز نہ رکھے۔‘‘ اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ’’ایمان کی حقیقی لذت سے وہی آشنا ہو سکتا ہے جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔‘‘

ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے:

جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ (ترمذی)

اسی حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔

۷۵ قرآن حکیم میں آپ کی خصوصیت اور مناقب کا اظہار بارگاہ خداوندی سے اس طرح کیا گیا کہ ہر پیغمبر کو اس کے نام کے ساتھ خطاب کیا گیا۔ مثلاً یا آدمؑ، یا ابراہیمؑ، یا موسیٰؑ

Marfat.com

اور یا عیسیٰ جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے انداز میں یایھا النبی، یایھا الرسول، یایھا المزمل اور یایھا المدثر کے الفاظ سے خطاب کیا گیا۔ ۱۱مرتبہ یایھا النبی اور۲۲ مرتبہ حضور کا ذکر باسم نبی فرمایا گیا اور نہ صرف یہ بلکہ آپ کو اللہ پاک نے اپنے ناموں سے کئی نام دیئے یعنی کہ رؤف، رحیم، نور، متین اور عزیز۔ اس سے آپ کی عظمت کا اظہار مقصود تھا اور آپ کی شان محبوبیت کی طرف اشارہ ہے۔ صرف آپ کو کوثر عطا کی گئی۔ عطا کی ہوئی چیز واپس نہیں لی جاتی تو گویا آخرت میں یہ بھی آپ کا امتیازِ خصوصی ہوگا۔

۷۶ علامہ محمد اسدؒ ایک نومسلم (قبل از اسلام یہودی نژاد) نے اپنی کتاب روڈ ٹو مکہ (Road to Mecca) میں لکھا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس کے بعد اس کے معتقدین اور پیروؤں نے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں روضۂ مبارک پر حاضری دے کر سلامِ عقیدت پیش کیا ہو۔ مگر یہ فخر جناب رسالت مآب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو حاصل ہے کہ ہر سال اہل اسلام روضہ اطہر پر نہ صرف سلام عقیدت پیش کرتے ہیں بلکہ آپ کی تعلیم و ہدایت کو زندہ جاوید رکھنے کا عزم صمیم بھی دہراتے ہیں۔ تاریخ امم ایسی مثال پیش کرنے سے نہ صرف قاصر ہے بلکہ اہل اسلام کو بجا طور پر یہ فخر و عزت حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسے امتیوں کے لئے ان کی زندگی میں سرچشمۂ نور و ہدایت ہے اور ان شاء اللہ مابعد زندگی ان کے لئے نجات و بخشش کا ذریعہ ہوگی۔

۷۷ قرآن حکیم میں ایسے بے شمار مقامات آئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنے محبوب کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اکٹھے رکھے گئے ہیں جیسے کہ:

- اطاعت کرتے رہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ (سورۃ المجادلہ، آیت ۱۳)
- اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران، ۱۳۲)
- جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریگا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے۔ (النساء: ۷۰۔۶۹)

- اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کا ساتھ دو۔ اس کی تعظیم و تکریم کرو اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔ (سورۃ الفتح، آیت ۹)
- جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی۔ اس کو داخل کرے گا اللہ جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۳)
- جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ (سورۃ النور، آیت ۵۲)
- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ (سورۃ الانفال، آیت ۱)
- اور اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے، اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی۔ ہم تو اللہ ہی کی ذات سے ہی توقع رکھتے ہیں۔ (سورۃ التوبہ، آیت ۵۹)
- جس نے رسول کی اطاعت کی پس اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔ (النساء: ۸۰)
- اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ (الاحزاب: ۵۷)
- کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا پس اس کیلئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا یہ بڑی رسوائی ہے۔ (التوبہ: ۶۳)
- جو اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کریگا تو اللہ اسے سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الانفال: ۱۳)
- اور جس نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح اور کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)
- اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو اس کے لئے آگ ہے دوزخ کی، جس میں وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ (سورۃ الجن، آیت ۲۳)
- جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا اور اسکی حدوں سے نکل جائے اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ (النساء: ۱۴)

۷۸ اسی طرح حدیث شریف میں کئی جگہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کچھ بتانے سے پہلے ان سے دریافت فرمایا کہ تم اس بارے میں کیا جانتے ہو، تو

انہوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلم ہے اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر ہے پس تم اس ذمہ داری کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ توڑو۔ اور بخاری شریف کی حدیث کے مطابق آپ نے فرمایا میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مقام غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اللہ اور اس کے رسول کے الفاظ اکٹھے ادا فرمائے اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی محبت کو اپنے ساتھ یکجا کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو گی تو اس کو رسول سے بھی محبت ہو گی۔ کیونکہ حضور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور محبوب کی جو کوئی بھی اتباع کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

۷۹ قرآن کریم کو اللہ نے کتاب فرمایا ہے، اس کے اوراق بھی ہیں۔ الفاظ بھی ہیں لیکن کیا یہ دوسری کتابوں جیسی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اسے نور بھی فرمایا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو کتاب ہے نور کیسے ہوئی تو اسے کیا کہا جائے اسی طرح جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بے شک بشر ہیں۔ مگر عام انسانوں میں اور آنجناب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ کا فرمان اقدس ہے کہ تم میں سے کون ہے جو میری مانند ہو، میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی نظر ہو تو حضور کریم کی شان کا کچھ اندازہ ہو۔ یقیناً آپ ہی اشرف الانبیاء اور آپ ہی افضل البشر ہیں۔

۸۰ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو آپ کھجور کے تنے کے ساتھ جس کو ستون حنانہ کہا جاتا ہے ذرا ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ جب آپ کے لئے منبر تیار کیا گیا تا کہ آپ کو کھڑے رہنے کی تکلیف نہ ہو اور پہلی مرتبہ جب آپ اس منبر پر تشریف لائے تو یہ کھجور کا تنا بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا کہ جو شرف آج تک اس کو آپ کے ٹیک لگانے کی وجہ سے تھا وہ ختم ہو گیا۔ اس گریہ زاری کا اثر نہ صرف

Marfat.com

حاضرین پر ہوا بلکہ خود حضور بھی متاثر ہوئے۔ آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنا ہاتھ مبارک اس کے اوپر رکھا تو وہ تنا خاموش ہو گیا۔ اس پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فلسفی تو منکر حنانہ است
از خواص انبیاء بیگانہ است

اے فلسفی اور عقل کے پرستار تو حنانہ کے واقعہ سے انکار کر رہا ہے تو یہ
صرف اس لئے ہے کہ تو انبیاء کے خصوصی حالات سے ناواقف ہے۔

اس مبارک واقعے کو مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں بہت خوب صورت انداز میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے۔

- ایک موقع پر اصحابِ رسولِ اکرم ﷺ نے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں یہ عرض کیا کہ اب چونکہ مسجد میں لوگ زیادہ جمع ہونے لگے ہیں اس لئے حضورؐ کا چہرہ مبارک نظر نہیں آتا۔ صحابہؓ کی اس گزارش پر اس ستون کے قریب جس کے سہارے حضور بیٹھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے، منبر بنا دیا گیا تا کہ فخرِ موجودات اس پر تشریف فرما ہو کر وعظ فرمایا کریں اور حاضرین آوازِ مبارک سننے کے ساتھ چہرۂ مبارک بھی دیکھ سکیں۔ اس طرح اس ستون سے آپ کا تعلق کٹ گیا جس کا ستون نے بہت زیادہ اثر لیا۔ چنانچہ وہ حضور کے فراق میں انسانوں کی طرح کچھ اس طرح نالہ و زاری کرنے لگا کہ ہر پیر و جوان کو اس کی خبر ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ بڑے حیران ہوئے کہ یہ ستون کس لئے نالہ کناں ہے۔ حضور ختمی مرتبت نے لکڑی کے اس ستون سے اس نالہ کا سبب پوچھا۔ وہ بولا کہ آپ کے فراق میں میری جان خون ہو گئی ہے۔ آپ کے ہجر میں جب میری جان جل چکی ہے تو، اے جانِ جہان، آپ ہی فرمائیں میں کیوں نالہ و زاری نہ کروں؟ میں حضور کی مسند تھا۔ حضور نے مجھ سے قطع تعلق کر کے منبر کو مسند بنالیا۔ اس پر نبی اکرم نے فرمایا کہ اے اچھے درخت! اگر تو چاہے تو قدرت تجھے ایسا نخل بنا دے جس کا پھل اہل شرق و غرب کھائیں، یا تجھے عالمِ بالا میں سرو بنا دے تا کہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرسبز رہے۔ ستون نے جواب میں زندگی جاوید کی خواہش کا اظہار کیا جس پر اسے زمین میں دفنا دیا گیا تا کہ قیامت کے روز اسے بھی انسانوں کی مانند اٹھایا جائے۔

Marfat.com

۸۱ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائے جو تمہیں زندگی بخشے گی چنانچہ حضرت کعبؓ کو حضور نے دوران نماز بلایا اور ان کے جواب نہ دینے پر بعد ازاں فرمایا کہ کیا تم نے قرآن پاک میں یہ نہیں پایا کہ اللہ اور اس کے رسول کا ادب ہر شے پر مقدم ہے۔ قرآنِ حکیم میں متعدد بار حضور کے ادب کی تعلیم دی گئی ہے اور کئی مقامات ایسے ہیں جہاں حضور کی شان میں کسی طرح کی بے ادبی کو کفر قرار دے دیا ہے۔

۸۲ صلح حدیبیہ میں حضرت عثمانؓ سفیر بن کر مکہ گئے تھے۔ وہاں قریش نے آپ سے کہا کہ اب تم بیت الحرام میں آ گئے ہو تو طواف بھی کر لو۔ آپ نے پسند نہ کیا اور جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔

۸۳ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جمعہ کے لئے مسجد نبوی میں آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ یکا یک ان کے کان میں حضور کی آواز مبارک آئی کہ بیٹھ جاؤ۔ ابن مسعود اسی وقت جبکہ وہ مسجد کے دروازے میں ہی تھے بیٹھ گئے اس لئے کہ سورۃ انفال میں فرمان ہے کہ ''اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر تم مؤمن ہو۔''

۸۴ نماز کی حالت میں کسی سے بات کرنا اور سلام کا جواب دینا منع ہے۔ مگر رسول اکرم کے حوالے سے یہ حکم ہے کہ رسول جس مومن کو پکاریں اس پر حضور کو جواب دینا واجب ہے خواہ وہ حالت نماز میں ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے انہیں آپ نے پکارا وہ نہ آئے اور بدستور نماز میں مشغول رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ لبیک کہو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو زندگی بخشنے والی ہے۔

- ادب کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں بڑا ہوں یا تم؟ عرض کیا کہ آپ اکبر اور اکرم ہیں میری ولادت آپ سے پہلے کی ہے۔ (نقوش رسول نمبر۴)

Marfat.com

۸۵ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مدراج النبوت میں لکھتے ہیں کہ کوئی عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایتِ ادب کے برابر نہیں ہے۔ (نقوش رسول نمبر ۴)

۸۶ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی میں اپنے مشہور مقدمہ بغاوت میں انگریز جج کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اگر تم نے میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایک بھی گستاخانہ لفظ کہا تو میرا دینی فریضہ ہو گا کہ اس کمرہ عدالت میں، میں تمہاری جان لے لوں۔ علامہ محمد اقبال مرحومؒ نے اسی اللہ کے شیر کے لئے کہا تھا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۸۷ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کو جاتے تو بلا کسی ظاہری سبب کے جا بجا رکتے اور اٹھتے بیٹھتے جاتے تھے کسی نے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر حج میں جس جگہ جو کچھ جس طرح اور جس طریقے سے کرتے ہوئے دیکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس سنت مبارکہ پر جوں کا توں عمل کروں۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ جہاں جہاں وہ رکے جہاں جہاں وہ ٹھہرے
وہی مقام محبت کی جلوہ گاہ ہے

۸۸ مشہور عباسی خلیفہ مہدیؒ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص رومال میں ایک جوتا لپیٹ کر لایا اور کہا کہ یہ حضور کے نعلین مبارک ہیں اور آپ کی خدمت میں لایا ہوں ۔مہدی نے اس کو لیکر بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا اور لانے والے کو انعام سے نوازا۔ اس کے جانے کے بعد حاضرین سے مہدی نے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس جوتے پر حضور کی نگاہ مبارک بھی نہیں پڑی ہے پہننا تو درکنار۔ لیکن چونکہ اس نے ذات نبوی پر انتساب کر دیا تھا اسلئے میں نے لے لیا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ، الجوزی)

۸۹ مدارج میں تحریر ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم

Marfat.com

سے کوڑے لگائے گئے تو انہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا۔ لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ روزِ محشر میری وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد مستوجب باز پرس ہو۔ (شرح المؤطا)

۹۰ مسجد نبوی کے پاس حضرت عباسؓ کے مکان کا بھی دلچسپ واقعہ ہے۔ اس مکان کی چھت میں ایک پرنالہ تھا۔ جمعہ کی نماز کے لئے حضرت عمرؓ مسجد کی طرف جا رہے تھے کہ اسی دن مرغی کے بچے حضرت عباسؓ کے لئے ذبح کئے گئے۔ خون وغیرہ کے گرنے سے حضرت عمر کے کپڑے خراب ہو گئے۔ آپ نے اس پرنالہ کو اکھاڑ دیا۔ جب حضرت عباس کو یہ خبر ملی تو کچھ نہ بولے صرف اتنا کہا کہ اس پرنالے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نصب کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بے چین ہو گئے اور قسم دے کر حضرت عباس کو آمادہ کیا کہ وہ عمر کے کندھے پر چڑھ کر اس نالی کو اس جگہ نصب کرے جہاں پر رسول خدا نے اپنے دست مبارک سے نصب کیا تھا اور آخر یہی کیا۔ (نقوش رسول نمبر ۶)

۹۱ حضرت امام مالکؒ نبی کریم کی محبت میں ہمیشہ ڈوبے رہتے تھے۔ مدینہ شریف سے باہر اس خوف سے نہیں جاتے تھے کہ کہیں موت نہ آ جائے۔ مدینہ طیبہ میں چلتے تو قدم سنبھال کر رکھتے کہ کہیں اس جگہ حضور کا قدم مبارک نہ پڑا ہو۔ اس محبت کے نتیجے میں ایک دفعہ امام مالک نے ارشاد فرمایا کہ میری کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ جس میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف نہ ہوا ہوں۔

۹۲ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں امام مالکؒ ''مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کی سموں سے روندوں جہاں پر رسول اللہ کے قدم مبارک لگے ہوئے ہوں۔'' (نقوش رسول نمبر، جلد ۴)

۹۳ ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے صاحبزادوں حسنینؓ کریمین کے ساتھ گھوڑے پر سوار محو سفر تھے کہ ایک مقام پر پہنچ کر حضرت علیؓ نے گھوڑے کو روک لیا پھر دائیں بائیں دیکھا کچھ سوچا اور گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اپنی گردن کو جھکا کر گزر گئے۔ دونوں صاحبزادے غور سے اپنے بابا کا یہ عمل دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو باب المدینۃ العلمؓ نے فرمایا کہ ایک روز حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں ہم یہاں سے گزر رہے تھے۔ جب آپ

گھوڑے پر سوار اس مقام پر پہنچے تو راستے کے کنارے ایک بڑے درخت کی شاخیں نیچے جھکی ہوئی تھیں تو سرکارِ دوجہاں نے اپنے عمامہ شریف کو درخت کی جھکی شاخوں سے بچانے کے لئے اپنی گردن مبارک کو جھکا لیا۔ اگرچہ آج وہ درخت اور اس کی شاخیں موجود نہیں ہیں مگر میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ جہاں گردن مصطفیٰ خم ہوئی ہو وہاں میری گردن تنی رہے۔ یہ نسبت کا کمال ہے۔ عشق کی دنیا میں احترام نسبت لازم ہے۔ احترام نسبت ادب سے آتا ہے اور عشق کا پہلا زینہ ادب ہے۔

۹۴ حضرت عبداللہ بن عمر چند ساتھیوں کے ساتھ کہیں سفر پر تھے ایک مقام پر راستہ معمولی نشیب میں اتر جاتا ہے۔ جہاں کبھی بارشوں میں پانی کھڑا ہو جاتا تھا۔ یہ نشیب چند گز پر محیط تھا اور سامنے راستہ پھر شروع ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عمر اس مقام پر پہنچ کر اچانک رک گئے اور گہری سوچ کے بعد دائیں جانب والی پگڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا۔ ایک لمبا چکر کاٹ کر دوبارہ سامنے والے راستے پر آ گئے۔ ساتھیوں نے حیرانگی سے استفسار کیا کہ اتنا لمبا چکر کاٹنے میں کیا حکمت ہے جبکہ نشیبی علاقہ خشک اور راستہ چند گز کے بعد شروع ہو جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے چھلکتی آنکھوں اور درد سے لبریز آواز سے جواب دیا کہ ایک روز میں رسول اللہ کی رفاقت میں اسی راستہ پر گامزن تھا اس نشیبی مقام پر پانی کھڑا تھا اللہ کے رسول علیہ السلام نے دائیں جانب والی پگڈنڈی کا راستہ اختیار فرمایا۔ اگرچہ آج اس نشیبی جگہ پر پانی موجود نہیں ہے، راستہ بھی سامنے نظر آ رہا ہے لیکن میں تو خاک پائے مصطفیٰ ﷺ کے نشانوں پر چل رہا تھا جسے تم لمبا اور ٹیڑھا راستہ سمجھ رہے ہو یہی تو درحقیقت صراطِ مستقیم ہے۔ کیونکہ اسے نسبت پائے حضور ﷺ ہے۔

۹۵ حدیث کی مشہور کتاب مؤطا کے مصنف حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ ایسے مت کہو کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے بلکہ یوں کہو کہ ہم نے رسول اللہ کی زیارت کی ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک نے حضور اقدس سے روایت کی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان تک زندوں کی گفتگو پہنچائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد بھی تمہارے اعمال مجھ پر پہنچائے جاتے رہیں گے۔

Marfat.com

حضورِ اقدس نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم لوگ مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے اور پہنچایا جاتا رہے گا۔

۹۶ ایک بار ہارون الرشید نے حضرت امام مالک کو کہلا بھیجا کہ آپ مدینہ شریف چھوڑ کر بغداد چلے آئیں۔ بغداد چونکہ دارالخلافہ ہے اس لئے یہاں آپ کے علم وفضل کی زیادہ قدر ہوگی اور میں بھی آپ کے درس سے استفادہ کر سکوں گا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ جو فریضہ جس مقام پر رہ کر وہ انجام دے رہے ہیں۔ میرا دل اس سے مطمئن ہے۔ رسولِ کریم کی محبت مجھے مدینے سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ رہا آپ کے استفادہ کا سوال تو آپ جب چاہیں یہاں آ کر میرے حلقہ درس میں شریک ہو سکتے ہیں۔

۹۷ ابو جعفر جو خلفائے عباسیہ کے دوسرے خلیفہ تھے مسجد نبوی میں کسی مسئلہ پر امام مالک سے بات کرتے کرتے ان کی آواز بلند ہوئی۔ اس پر امام مالک نے کہا۔ اے امیر اس مسجد میں آواز بلند نہ کریں اور اس کی توجہ اس آیت کی طرف دلوائی یعنی کہ میرے حبیب کے دربار میں اپنی آواز بلند نہ کرو۔ اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وصال کے بعد بھی وہی ہے جو کہ قبل وصال تھی۔ خلیفہ یہ سن کر پریشان ہو گئے پھر پوچھا مجھے بتائیں کہ دعا کے لئے ہاتھ قبلہ کی طرف اٹھائیں یا رسول اللہ کی طرف۔ آپ نے فرمایا کہ حضور کی طرف سے منہ کیوں پھیرتے ہو وہ تو قیامت کے روز وسیلہ ہیں آپ کے اور آپ کے باپ حضرت آدمؑ کے۔ تو حضور کی طرف متوجہ ہو کر شفاعت اور سفارش طلب کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپکی سفارش قبول کریگا۔ کیونکہ اللہ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے۔

> اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتے تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ (آیت ٦٤)

مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر (معارف القرآن) میں لکھتے ہیں کہ آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔

Marfat.com

(قرآنِ حکیم کے الفاظِ مبارک پر غور کیجئے، یہ سجدہ شکر بجا لانے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں گنہگاروں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بخشنے اور ان پر رحم فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفاتِ اقدس و منور گنہگاروں کے لئے سراپا نور ہے)۔

۹۸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے تو آپ کے وضو کے پانی پر صحابہؓ کرام ٹوٹ پڑتے اور ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے اور جب آپ کا کوئی بال مبارک گرتا تو لپک کر ہاتھ میں لے لیتے اور بطور تبرک محفوظ کر لیتے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر منٰی میں آپ ﷺ نے ایک سو اونٹوں کی قربانی ادا فرمائی۔ ۶۳/ اونٹ آپ نے خود اپنے دستِ اطہر سے اور ۳۷/اونٹ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے ذبح کئے۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر مبارک معمر بن عبداللہؓ سے منڈوایا۔ فرطِ محبت سے ابوطلحہؓ اور ان کی بیوی ام سلیمؓ کو اپنے دستِ مبارک سے کچھ بال عنایت فرمائے اور باقی ماندہ بال ابوطلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک، دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔

۹۹ شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے والد گرامی شاہ عبدالرحیمؒ کو ایک مرتبہ بخار آ گیا۔ بیماری کے تسلسل سے ان کی حالت غیر ہو گئی اور وہ زندگی سے ناامید ہو گئے۔ ان پر غنودگی طاری ہو گئی اسی حالت میں خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ''بیٹا تیرا کیا حال ہے'' اور اس کے ساتھ ہی حضور نے شاہ عبدالرحیم کو اس طرح آغوش میں لے لیا کہ حضور کی ریش مبارک شاہ عبدالرحیم کے سر پر تھی۔ پھر حضور نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو موئے مبارک انہیں عطا فرمائے۔ بیدار ہونے پر انہوں نے دونوں موئے مبارک اپنے تکیے کے نیچے پائے اور ان کی بیماری اور نقاہت بھی زائل ہو گئی۔ شاہ عبدالرحیم نے اِن دو موئے مبارک کو عزت و احترام سے ایک صندوقچے میں رکھ لیا تھا اور ہر سال بارہ ربیع الاول کو ان کی زیارت کرواتے۔ ان موئے مبارک میں ایک وصف یہ تھا کہ وہ پہلے آپس میں گتھے ہوئے تھے مگر جب درود و سلام پڑھا جاتا تھا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ زیارت

کے موقع پر موئے مبارک کا صندوقچہ خود شاہ اسمٰعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے۔ ان دو موئے مبارک میں سے ایک شاہ عبدالرحیم نے شاہ ولی اللہ صاحب کو عنایت کیا تھا اور دوسرا شاہ اہل اللہ کو عطا کیا جو اسے پھلیت لے گئے اور جو وہاں اب تک شاہ محمد عاشق کے خاندان کے پاس ہے۔

۱۰۰ مرزا غالب، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض آثار کا ذکر کرتے ہیں جو دہلی کی قدیم عمارتوں میں محفوظ تھے۔ ''آپ کا موئے مبارک اور نقش قدم'' لکھتے ہیں:

> ''آپ کے خوشبودار موئے مبارک کا رشتہ ہماری رگِ جاں سے بندھا ہے۔ یہ بال روح سے بھی زیادہ پاکیزہ جسم پر اگا ہے اور اسے بالیقین آبِ حیات سے نمو ملی ہے۔ جو صاحبِ دل اور صاحبِ ایمان ہے وہ حضورؐ کے نقشِ قدم سے عشق کئے بغیر کیسے رہ سکتا ہے؟ یہ نقشِ قدم دراصل عشاق کے دل کی تہوں میں اتر چکا ہے۔ یہ کسی ایسے بدگہر کے دل میں کیسے بیٹھ سکتا ہے جو پتھر سے بھی سخت تر ہو۔ مصر سے بوئے پیراہن آتی ہے تو دیدۂ یعقوبؑ اس کے دم سے دوبارہ روشن ہو جاتا ہے سو وہ چادر اور پیراہن جو رسول اللہ سے متعلق رہ چکے ہیں، امت ان پر جان کیوں نہ چھڑکے گی۔''

۱۰۱ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کو جب دربار نبوت کا شرف حاصل ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیریں منزل میں قیام پسند فرمایا تاکہ آنے والے حضرات سے میزبان کو تکلیف نہ ہو۔ حضرت انصاری نے درخواست کی کہ یہ سوءِ ادب ہے کہ غلام اوپر ہو اور آقا نیچے۔ لیکن تاجدارِ حرم کی رائے مبارک زیریں منزل کی رہی۔ اس غلام نے بھی آقا کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس کے باوجود حضور کا یہ غلام اور اس کی اہلیہ مضطرب رہتے کہ کائنات کی معزز ترین ہستی نیچے کی منزل پر قیام پذیر ہو اور ہم اوپر۔ تمام شب بیدار رہتے اور ایک کونے میں بیٹھ کر تمام رات گزار دیتے آخر ایک دن دربار رسالت میں تمام ماجرا عرض کیا تو سید البشر کو اپنے غلام کی تکلیف برداشت نہ ہوئی اور بالائی منزل پر قیام فرمایا۔

Marfat.com

۱۰۲ حضرت عبداللہ بن مسعود بہت دولت مند انسان تھے۔ سفید اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ خوشبو بہت لگاتے تھے اور رات کے اندھیرے میں خوشبو سے ہی پہچانے جاتے تھے۔ نبی کریم سے عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ہمہ تن آپ کی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور جب آپ حجرہ مبارک سے باہر تشریف لاتے تو حضرت عبداللہ آگے بڑھ کر جوتے پہناتے۔ عصاء لے کر حضور کے دائیں طرف آگے آگے چلتے۔ پھر مجلس کے قریب پہنچ کر اپنے ہاتھوں سے جوتے مبارک اتارتے اور اپنی بغل میں رکھ لیتے اور عصاء پیش کرتے۔ سفر کے وقت آپ کے جوتے شریف، مسواک مبارک، بستر مبارک اور طہارت کا پانی ان ہی کی تحویل میں رہتے۔

۱۰۳ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں دیکھا۔ چونکہ مجھ پر اس وقت غسل واجب تھا میں چھپ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے پوچھا تم کہاں تھے عرض کیا یا رسول اللہ نہانے کی ضرورت تھی اس لئے میں نے آپ کے ساتھ بغیر طہارت کے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا۔ یہ تھا وہ ادب جو صحابہ کرام کرتے تھے۔ (نقوش رسول نمبر، ج ۴)

۱۰۴ اسلع بن شریکؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت مجھے نہایت تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہاؤں تو مارے سردی کے مر جانے یا بیمار ہونے کا اندیشہ ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں۔ مجبوراً کسی اور صحابی سے کہا کہ وہ کجاوہ باندھے پھر میں نے پانی گرم کر کے غسل کیا اور آپ سے جا ملا۔ حضور نے فرمایا اے اسلع کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوے کو میں متغیر پاتا ہوں۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نہیں باندھا اسلئے کہ مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی میں جان کا خوف تھا اس لئے کسی اور کو باندھنے کیلئے کہہ دیا۔ اسلع کہتے ہیں کہ اس کے بعد سورۃ مائدہ کی وہ آیت نازل ہوئی جس سے تیمّم کی اجازت ملی۔ (نقوش رسول نمبر، ج ۴)

۱۰۵ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جب دربار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف

Marfat.com

ہوئے تو اس پاک زمین کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عشق حبیب کا فقید المثال مظاہرہ کیا کہ شہر سے دور جیسے ہی روضہ اطہر نظر نواز ہوا تو نہایت ادب و احترام کے باعث جوتے اتار کر بغل میں لے لئے اور رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی کے باوجود برہنہ پا چل کر بارگاہ خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔

۱۰۶ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد آیا۔ جب ان کی نظر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اونٹوں سے کود کر دوڑتے ہوئے بارگاہ عالی مرتبت میں حاضر ہوئے۔ البتہ ان کے رئیس جو کہ عبدالقیس کے لقب سے معروف تھے وہ اونٹوں کے ساتھ قیام گاہ پر پہنچے، اپنا اور تمام رفقاء کا سامان جمع کیا۔ حفاظت کے ساتھ رکھا۔ غسل کیا نئی پوشاک زیب تن کی پھر نہایت وقار اور متانت کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف لائے تحیۃ المسجد کے نفل ادا کئے اور دعا سے فارغ ہو کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ حبیب خدا مدنی تاجدار علیہ صلوٰۃ اللہ العزیز الغفار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس ادا کو پسند فرمایا اور اس بشارت سے سرفراز فرمایا کہ آپ کی اس عادت کو اللہ جل جلالہ بھی پسند فرماتے ہیں۔ ایک حلم و بردباری اور دوسرا وقار و متانت۔

۱۰۷ جناب قدرت اللہ شہابؒ اپنی کتاب شہاب نامہ میں لکھتے ہیں۔ (حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد) مکہ معظمہ واپس آتے ہی میرے سر پر مدینہ منورہ پہنچنے کی دھن سوار ہو گئی لیکن معلم عبدالرزاق نے بڑی سنگدلی سے مجھے سمجھایا کہ میرے مدینہ شریف روانہ ہونے کی تاریخ سعودی حکومت سے مقرر ہو کر آئے گی۔ اس وقت تک میں صبر سے کام لوں اور بار بار اپنا پاسپورٹ مانگ کر اسے دق نہ کروں ساتھ ہی اس نے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر میں نے مدینہ مدینہ کی رٹ لگا کر اسے زیادہ تنگ کیا تو وہ رئیس المسلمین کے پاس میری شکایت کر دے گا اور رئیس المسلمین کو یہ اختیار ہے کہ وہ میرا پاسپورٹ ضبط کر کے مجھے پولیس کے حوالے کر دے۔

- معلم کی طرف سے مجبور ہو کر میں نے خانہ کعبہ کی راہ لی۔ راستے میں چلتے چلتے میں دل ہی دل میں بڑی چالبازی اور چابکدستی اور بڑی فن کاری سے ایسے دعائیہ فقرے

Marfat.com

تراشتا خراشتا رہا جن سے یہ مطلب نہ نکلے کہ میں خدانخواستہ مکہ معظّمہ سے تنگ آ کر یہاں سے بھاگنا چاہتا ہوں ۔ بلکہ جن سے فقط یہ ظاہر ہو کہ میں اللہ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں مدینہ منورہ جانے کیلئے بے تاب ہوں ۔ میں اسی ادھیڑ پن میں چلا جا رہا تھا کہ سڑک پر سامنے سے پاکستان ایمبیسی کی ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی ۔ کار میں سفارت خانے کا کچھ عملہ سوار تھا ۔ ان میں ایک صاحب مجھے پہچانتے تھے ۔ انہوں نے کار روکی اور علیک سلیک کے بعد چھوٹتے ہی پوچھا۔ آپ مدینہ منورہ چلیں گے۔ جی ہاں ضرور میں نے بوکھلا کر کہا ۔ لیکن کیسے۔ انہوں نے بتایا کہ خشکی کے راستے آیا ہوا پاکستانی حاجیوں کا ایک قافلہ آج شام جدہ سے مدینہ منورہ روانہ ہو رہا ہے۔ اگر میں اس میں شامل ہونا چاہوں تو ابھی ان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر جدہ روانہ ہو جاؤں۔ میں نے بھاگ دوڑ کر رواداری میں الوداعی طواف کیا نالے کے کنارے سے اپنے سامان کی پوٹلی اٹھائی ۔ ایمبیسی کے عملے نے میرے معلم سے میرا پاسپورٹ وصول کیا اور پورے ساڑھے تین گھنٹے کے اندر اندر میں راولپنڈی کی حج ٹرانسپورٹ کمپنی کے قافلہ میں بیٹھا ہوا جدہ سے بسوے مدینہ منورہ رواں دواں تھا۔

آن خنک شہرے کے آں جا دلبر است!

یثرب کتنا پیارا شہر ہے جہاں ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔

● اس زمانے میں جدہ سے مدینہ منورہ جانے والی سڑک پکی نہ بنی تھی۔ بس ایک کشادہ سا روڑے دار راستہ تھا جو کہیں سے کچا تھا کہیں سے سنگلاخ تھا، کہیں اونچا تھا کہیں نیچا تھا اور ٹرک اور موٹر گاڑیاں اس پر ہچکولے کھاتی کشاں کشاں چلتی رہتی تھیں۔ شدید گرمی کی وجہ سے دن کے بیشتر حصہ میں ٹریفک بند رہتا تھا اور ساری رات اس پر گاڑیوں کی گہما گہمی رہتی تھی۔ ہمارا قافلہ بھی رات بھر چلتا رہا اور صبح دس بجے کے قریب مدینہ منورہ سے چار پانچ میل اس طرف رک گیا۔ یہاں پر ایک کنواں تھا جس پر رہٹ چل رہا تھا۔ قافلے والوں نے یہاں اتر کر غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے کچھ عقیدت مند موٹروں پر دوبارہ سوار ہونے کی بجائے یہاں سے احتراماً پیدل چلنے لگے میں بھی ان کے پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہو گیا۔ تھوڑی

Marfat.com

دور چل کر خیال آیا کہ دربار حبیب میں جوتے پہن کر داخل ہونا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ میں نے فوراً اپنے چپل کھول کر ہاتھ میں اٹھا لئے اور برہنہ پا چلنے لگا۔ دھوپ میں تپتے ہوئے سنگریزوں پر پاؤں پڑتے ہی میرے تلوؤں میں آگ کے شعلے سے لپکے اور حرارت کی لہریں بجلی کے کرنٹ کی طرح میرے جسم میں پھیل کر دماغ سے ٹکرانے لگیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر چپکے سے اپنے چپل دوبارہ پہن لئے۔ اپنے جذبۂ احترام کے اس بودے پن پر مجھے اس قدر جھنجھلاہٹ اور ندامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے چپل پھر کھولے اور انہیں اٹھا کر سڑک سے دور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب ننگے پاؤں چلنا ایک امر مجبوری تھا۔ لیکن میری خود فریبی اسی مجبوری کو احترام کا نام ہی دیتی رہی۔

• گھنٹہ دو گھنٹہ چلنے کے بعد ایک موڑ آیا جس کی گولائی پر چند گاڑیاں رکی ہوئی تھیں اور بہت سے لوگ سڑک پر کھڑے والہانہ انداز میں درود و سلام پڑھ رہے تھے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ان حضرات کو اپنا گوہر مقصود نظر آ گیا ہے۔ میری عمر اس وقت ۳۳۔۳۲ برس تھی۔ اس طویل عرصے میں میری آنکھوں نے زندگی کی کثافت، رزالت، رکاکت اور خباثت کے علاوہ اور کچھ بہت کم دیکھا تھا۔ اب جی چاہتا تھا کہ گنبد خضرا پر نگاہ ڈالنے سے پہلے ان گناہگار آنکھوں کو کس قدر صاف کر لوں۔ اس مقصد کے لئے شاہراہ مدینہ کی خاک سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی تھی۔ میں نے اضطراراً چلتی ہوئی سڑک سے خاک کی ایک چٹکی اٹھائی اور اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ مسجد نبوی تک پہنچتے پہنچتے میری آنکھیں سرخ ہو کر سوجھ گئیں اور راستہ نظر آنا مشکل ہو گیا۔ قدم قدم پر راہ گیروں سے ٹکر لگتی تھی مجھے اندھا سمجھ کر ایک بھلے آدمی نے میری رہنمائی کی اور مجھے باب جبرئیل تک پہنچا دیا۔ باب جبرئیل پر عاشقان رسول کا ہجوم تھا اندر جانے والوں اور باہر آنے کا غیر منقطع تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک نورانی صورت بزرگ چٹائی پر بیٹھے لوگوں کے جوتے سنبھالنے میں مصروف تھے میری آنکھوں میں اب تک دھندسی چھائی ہوئی تھی اور بھیڑ کے ریلے میں پھنس کر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں یا پیچھے جا رہا ہوں۔ ایک مقام پر میں چند لوگوں سے ٹکرا کر بری طرح لڑکھڑایا اور جوتوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ گر پڑا۔ جوتوں کی رکھوالی کرنے والے

Marfat.com

صاحب نے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور اپنے پاس چٹائی پر بٹھا لیا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے تھے۔ میری آنکھیں سوجھی ہوئی اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ اپنی صراحی سے پانی کا گلاس پلا کر انہوں نے ازراہِ ہمدردی دریافت کیا کہ میری آنکھوں کو کیا مرض لاحق ہے۔ میں نے شاہراہ مدینہ کی خاک کی چٹکی والا واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اسے سن کر وہ بے اختیار رو پڑے اور مجھے وہیں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ عصر کی نماز سے پہلے وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور جالی مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر بڑے سوز و گداز سے درود و سلام پڑھایا۔ نماز کے بعد وہ مجھے پھر اپنے پاس چٹائی پر لے آئے۔

● یہ صاحب مشرق اور مغرب میں بہت سے ملکوں کی سیاحی کر چکے تھے۔ عربی تو ان کی مادری زبان تھی اس کے علاوہ ترکی، فارسی اور انگریزی بھی خوب جانتے تھے۔ کسی قدر فرانسیسی زبان سے بھی آشنا تھے۔ اٹھارہ انیس برس سے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجدِ نبوی کی صفائی کے انتظامات کے ساتھ وابستہ تھے حج کے زمانے میں جب زائرین کا رش بڑھ جاتا تھا تو یہ صاحب رضا کارانہ طور پر بابِ جبرئیل کے باہر جوتے سنبھالنے کے کام میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ انہوں نے میرا پاسپورٹ دیکھا اور ہنس کر بولے تم تو پڑھے لکھے آدمی ہو۔ میری اردو بڑی کمزور ہے آؤ انگریزی میں گفتگو کریں۔

● جب انہیں معلوم ہوا کہ میرے رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے تو مغرب کے بعد مجھے وہ اپنے گھر لے گئے۔ جو مسجد نبوی کے قریب واقع تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اپنے کپڑوں کا ایک صاف جوڑا عنایت کیا۔ بازار سے نئے چپل لا کر دیئے اور ایک ڈاکٹر کی دکان پر میری آنکھوں میں دوا ڈلوائی۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ میں رات بھی ان کے ہاں گزاروں میں نے التماس کی کہ اگر وہ مجھے باب جبرئیل کے باہر اپنی چٹائی پر شب بسری کی اجازت دے دیں تو مجھ پر بڑا احسان ہو گا۔ اس پر وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر بولے، اس کی اجازت تو نہیں۔ خیر عشاء کے بعد دیکھا جائے گا۔

● عشاء کے بعد جب مسجد نبوی کے دروازے بند ہو گئے تو وہ اندر ہی رہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اپنے سرکاری فرائض سے فارغ ہو کر باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دیا جس پر

عربی میں کچھ لکھا تھا اور نیچے مہر لگی ہوئی تھی۔ فرمایا تم اس چٹائی پر رات گزار سکتے ہو اور اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ اجازت نامہ دکھا دینا۔ تہجد کی اذان ہونے تک کئی سپاہیوں نے کئی بار آ کر مجھے ٹوکا۔ لیکن اجازت نامہ دیکھ کر وہ خاموش ہو جاتے تھے۔

- ایک روز تو جوتے رکھنے والے صاحب نے اپنی کرم فرمائی کی انتہا کر دی عشاء کے بعد جب مسجد نبوی کے دروازے بند ہونے لگے تو انہوں نے مجھے تہجد کی اذان تک اپنے ساتھ ہی اندر رہنے دیا اور تھوڑی دیر کے لئے جالی مبارک کے اندر اسی عرش بریں جیسی مقدس زمین پر مجھے اپنی پلکوں سے جاروب کشی کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

- ایک روز انہوں نے مجھے مدینہ منورہ سے رخصت کر دیا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرا یہاں سے ہلنے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن وہ نہ مانے ۔فرمانے لگے پانی کا برتن بہت دیر تک آگ پر پڑا رہے تو پانی ابل ابل کر ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا داروں کا شوق وقتی ابال ہوتا ہے۔ کچھ لوگ یہاں رہ کر بعد میں پریشان ہوتے ہیں۔ ان کا جسم تو مدینہ منورہ میں ہوتا ہے لیکن دل اپنے وطن کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان رہے تو اپنے وطن میں لیکن دل مدینہ منورہ میں لگا رہے۔

۱۰۸ جناب علامہ ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب اپنی کتاب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں کہ ایک رات حدیث ''من زار قبری وجبت له شفاعتی'' نظر سے گزری اشکال پیدا ہو گیا کہ ہم حاضرین کے لئے قبر انور کی زیارت تو نہیں ہے۔ لزومِ شفاعت کا وعدہ تو قبر انور کی زیارت کرنے والوں کے لئے ہے۔ اسی پریشانی میں نیند آ گئی۔ قبر انور کی زیارت ہوئی۔ بلکہ بوسہ سے مشرف ہوا اور میرے عقیدہ کی اصلاح میرے نظریہ کی تطہیر میرے اشکال کے حل کے لئے مجھے فرمایا گیا۔ میرے دروازے کی حاضری میری قبر کی حاضری ہے۔ دروازے کی زیارت قبر کی زیارت ہے۔''

- ایک دوسری جگہ علامہ ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب فرماتے ہیں:

مدینۃ الرسول میں ایک حاضری کے موقعہ پر مواجہ شریف میں حاضر تھا۔ اپنی زبان (پنجابی) میں ہی دربار گوہر بار میں درخواستیں پیش کر رہا تھا۔ انہیں ایام میں بیت المقدس پر

اسرائیلیوں کا قبضہ ہوا تھا۔ مجھے میرے گناہ ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے۔ ملت اسلامیہ کی زبوں حالی پیش نظر تھی۔ درد و کیف کا ایک سماں تھا۔ میری دعا ختم ہوگئی تو میں نے دیکھا میرے پیچھے شام کے بہت سے علماء کرام دعا میں شامل تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ غالباً وہ میری حالت زار پر ترس کھا کر رو رہے تھے ورنہ پنجابی کو وہ کیا سمجھیں۔ ان میں سے ایک نے مجھے فرمایا آیئے آپ کو شام کے ایک قطب سے ملاقات کرائیں۔ جو براہِ راست حضور علیہ السلام سے باتیں کرتے ہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی دل میں سوچا ان بزرگوں سے دعا کرواؤں گا کہ مجھے آئندہ سال بھی حاضری نصیب ہو۔ ہم ان کے ہاں حاضر ہو گئے۔ وہ مراقبہ میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور مجھے اشارے سے اپنے قریب بلایا۔ فرمایا میں نے تیری طرف سے دربار رسالت میں سلام عرض کیا ہے اور حضور سید عالم ﷺ بھی تجھے وعلیکم السلام فرماتے ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا: وہ آئندہ سال بھی آئے گا۔ قربان جائیں میں نے ان بزرگوں سے ابھی تک اپنا مسئلہ پیش نہیں کیا۔ وہ تو مراقبہ میں تھے۔ مجھے آئندہ سال پھر حاضری نصیب ہوگئی۔ اس کے بعد آج تک پھر ان بزرگوں کی زیارت نصیب نہیں ہو سکی۔

- اسی طرح کا ایک اور واقعہ اپنی کتاب مدینۃ الرسول میں محترم شاہ صاحب نے یوں رقم کیا ہے۔

> ظاہر ہے دارالسلطنت میں جہاں بادشاہ مقیم ہے وہاں وزراء سفراء کی ایک بھاری جماعت بھی رہتی ہے۔ مدینۃ الرسول میں شہنشاہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہیں وہاں اغواث، اقطاب، ابدال اولیاء اللہ کی کیا کمی ہے۔ ۱۹۶۸ء کی حاضری کا مجھے ایک واقعہ یاد ہے میرے مکان سے حرم انور کو آتے ہوئے عموماً ایک مجذوبہ کی ملاقات ہوا کرتی مگر کبھی اس پر دھیان نہ گیا اسے سب دیوانہ سمجھ کر گزر جاتے۔ ایک دن ریاض الجنۃ کی حاضری کے بعد جنت البقیع شریف میں حاضر ہوا تو دل میں خیال گزرا سبحان اللہ مدینۃ الرسول میں دو جنتیں ہیں ایک کا نام ریاض الجنۃ، دوسری کا نام جنت البقیع ہے۔ اسی خیال میں اس

Marfat.com

ولیہ کاملہ کے قریب سے گزر ہوا۔ مجھے بڑی فصیح زبان میں بلایا میرے بھائی آؤ بات سنو میں قریب گیا تو اپنا دایاں ہاتھ میرے بائیں کندھے پر رکھا اور فرمایا اللہ کی قسم اللہ زندہ ہے اور اس کے رسول کریم بھی زندہ ہیں پھر فرمایا اللہ کی قسم اللہ بھی دیکھتا ہے اور اس کے رسول کریم بھی دیکھتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ کی قسم مدینہ سارے کا سارا جنت الفردوس ہے یہ تھی آخری بات جس نے میرے نظریہ کی اصلاح کی کہ مدینہ منورہ میں صرف دو جنتیں نہیں بلکہ سارے کا سارا جنت الفردوس ہے۔ اس رات کو شیخ الاسلام قطب الوقت حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کے مکان پر محفل میلاد شریف میں شریک ہوا۔ تقریر کی اور واقعہ سنا دیا۔ محفل ختم ہونے کے بعد بہت سے ساتھی میرے ساتھ آئے کہ زیارت کریں مگر اس دن سے آج تک پھر اس ولیہ کاملہ کی زیارت نصیب نہ ہو سکی۔

۱۰۹ غازی سلطان محمود کے غلام ایاز کا ایک بیٹا تھا اور اس کا نام محمد تھا۔ ایک دن بادشاہ نے ایاز کی موجودگی میں اسے یوں بلایا۔ اے ایاز کے بیٹے وضو کے لئے پانی لاؤ۔ ایاز نے یہ سن کر سوچا کہ معلوم نہیں کہ میرے بیٹے نے کیا خطا کی ہے جس کے باعث سلطان نے اس کو نام سے نہیں بلایا۔ جب سلطان نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایاز بہت مغموم و ملول ہے۔ جب سلطان نے اس رنج کا سبب پوچھا تو ایاز نے عرض کی کہ آپ نے آج میرے لختِ جگر کو اس کا نام لے کر نہیں بلایا۔ شاید اس سے کوئی گستاخی یا بے ادبی ہوگئی ہے۔ جس کے باعث آپ ناراض ہیں۔ سلطان نے مسکرا کر کہا ایاز فکر نہ کرو۔ میں تمہارے بیٹے سے ناراض نہیں ہوں۔ اس وقت نام نہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ میں بے وضو تھا اور چونکہ یہ آقائے نامدار سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نام تھا۔ اس لئے مجھے شرم آئی کہ حضور کا نام مبارک اس حالت میں میری زبان سے نکلے جبکہ میں بے وضو اور بے طہارت ہوں۔

۱۱۰ حضرت مصعب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؓ کو

Marfat.com

دیکھا کہ آپ نہایت ہی ہنس مکھ تھے مگر جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آپ کے سامنے کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ کے سامنے جب آپ کا ذکر ہوتا تو وہ آپ کی تعظیم کے باعث جھک جاتے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو حضور کا رتبہ و شان و شوکت اور عظمت کا مقام ہے اگر تم اسے جانتے تو ہرگز تم اپنے دیکھے ہوئے پر سوالؒ نہ کرتے۔ (نقوش رسول نمبر، ج ۴)

۱۱۱ صحیح بخاری میں حضرت سائب سے مروی ہے کہ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے ایک کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور مجھے کہا کہ ان لوگوں کو بلاؤ جنھوں نے مسجد نبوی میں اونچی آواز میں باتیں کی ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم طائف سے آئے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم اس شہر کے ہوتے تو میں تم کو ضرور اذیت دیتا کہ تم نے مسجد نبوی میں آواز بلند کی ہے۔ (نقوش رسول نمبر، ج ۴)

۱۱۲ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کھوٹنی کی آواز جو مسجد نبوی کے اردگرد گھروں میں گاڑی جاتی تھی اور اس میخ کی آواز جو ٹھونکی جاتی تھی سنتی تھیں۔ انہوں نے ان گھر والوں کو کہلا بھیجا کہ یہ سوءِ ادب ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دروازوں کے کواڑ پاس ادب کی خاطر کپڑے کے بنائے ہوئے تھے۔

۱۱۳ روایت ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں مستنجد باللہ خلیفہ بغداد حاضر ہوئے اور اشرفی کی دس تھیلیاں آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں ہے جب زیادہ اصرار کیا تو آپ نے ایک تھیلی کو داہنے ہاتھ میں اور ایک کو بائیں ہاتھ میں اٹھا لیا پھر ان کو دبایا تو ان میں سے خون جاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابو المظفر اللہ تعالیٰ سے تجھے شرم نہیں آئی کہ خلق خدا کا خون چوستا ہے اور پھر اپنے اوپر اس کی ذمہ داری لیتا ہے اور پھر میرے پاس آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ بے ہوش ہو گیا پھر آپ نے فرمایا بخدا کہ اگر اس کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت نہ ہوتی تو میں اتنا نچوڑتا کہ خون بہہ کر اس کے محل تک پہنچ جاتا۔

Marfat.com

۱۱۴ سیرۃ النعمان میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا کہ انہوں نے حضرت انسؓ صحابی کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کریں گی لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تعلق کی وجہ سے صحابہ کرام کے ساتھ تھا۔

۱۱۵ کہتے ہیں کہ جناب قائداعظم محمد علی جناحؒ نے زمانہ شباب میں صرف اس لئے ''لنکزان'' میں داخلہ لیا تھا کہ اس کے باہر منصفین (انصاف کرنے والے) کی جو فہرست کنندہ تھی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سرفہرست تھا۔

۱۱۶ جب جان دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک ہوئی تو ثویبہ اپنے آقا ابولہب کے پاس دوڑی گئی اور اسے یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ مرحوم کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ ابولہب کو اپنے مرحوم بھائی کی نشانی پیدا ہونے پر اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے ثویبہ سے کہا جا! اس خوشی میں تجھے آزاد کیا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ چالیس سال بعد جب جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو وہی چچا جس نے آپ کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزادی کا انعام بخشا تھا آپ کا کٹر مخالف بن گیا۔ اس کی بیوی ام جمیل شوہر سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ دونوں نے آپ کے خلاف محاذ بنا لیا اور آپ کی دل آزاری اور ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اللہ تعالیٰ اس قدر غضب ناک ہوئے کہ ان دونوں کے عبرتناک انجام پر مشتمل ایک مستقل سورت نازل فرمائی۔ جب ابولہب مرگیا تو تقریباً ایک سال بعد حضرت عباسؓ نے اس کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بُرا حال ہے جہنم میں جل رہا ہوں۔ مرنے کے بعد راحت کا کوئی لمحہ مجھے میسر نہیں آیا۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے اپنے بھتیجے کی ولادت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ اس کا مجھے یہ انعام ملا ہے کہ پیر کے دن میری انگلی اور انگوٹھے کے درمیان سے پانی نکلتا رہتا ہے اور میں اسے چوستا رہتا ہوں۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے ورنہ کافر کا کوئی عمل آخرت میں فائدہ نہ دے گا۔ (سیدالوریٰ، قاضی عبدالدائم دائم)

Marfat.com

۱۱۷ ابولہب کی موت چیچک کی وجہ سے ہوئی اور عرب میں اس مرض کو اس قدر منحوس اور متعدی سمجھا جاتا تھا کہ کوئی شخص بھی مریض کے قریب بھی نہیں پھٹکتا تھا۔ چنانچہ ابولہب کی لاش تین دن تک پڑی سڑتی رہی۔ جب تعفن پھیل گیا تو ایک شخص نے ابولہب کے بیٹوں سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے باپ کی لاش گل سڑ رہی ہے اور تم نے اب تک اسے دفن نہیں کیا۔ روایت میں آتا ہے کہ اس کے لئے گڑھا کھودا گیا اور اس کی لاش کو لمبی لمبی بلیوں سے دھکیل کر اس میں پھینک دیا گیا۔ پھر گڑھا پاٹ دیا گیا اور بعض روایات کی رو سے اس کی لاش کو کسی نہ کسی طرح ایک گرنے پر آئی ہوئی دیوار کے قریب پہنچایا گیا اور دیوار کو اس کے اوپر گرا دیا گیا پھر بھی جسم کے بعض حصے نظر آ رہے تھے چنانچہ دور سے پتھر پھینک کر ان حصوں کو ڈھانپ دیا گیا۔ یہ انجام ہوا اس حسین و جمیل شخص کا جسے شفق رنگ رخساروں اور گلنار چہرے کی مناسبت سے ابولہب یعنی کہ شعلہ رُو کہا جاتا تھا۔ جبکہ اس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا مگر تھا گستاخِ رسول۔ (سید الوریٰ، قاضی عبدالدائم دائم)

۱۱۸ اہل مکہ معظمہ نے جب یہ دیکھا کہ باوجود تشدد و مزاحمت کے اسلام قبائل عرب میں پھیل رہا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ نجاشی شاہ حبشہ نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور ان کی واپسی کا مطالبہ لے کر جانے والی سفارت حبشہ سے ناکام و نامراد ہو کر واپس آ گئی ہے تو انہوں نے متفقہ طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ابو طالب کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بنو ہاشم و بنو مطلب کو جمع کر کے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بغرض حفاظت اپنے شعب یعنی شعب ابی طالب میں لے چلو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے ہاشم و مطلب کی اولاد سے رشتہ ناطہ، لین دین سب موقوف کر دیا اور مزید تاکید کے لئے انہوں نے ایک معاہدہ تحریر کر کے خانہ کعبہ کی چھت سے لٹکا دیا۔ قریش نے اس معاہدے پر نہایت سختی سے عمل کیا باہر سے غلہ مکہ معظمہ میں آتا۔ وہ خود ہی خرید لیتے اور اس کا ایک دانہ بھی مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیتے اگر کوئی بطور صلہ رحمی اپنے کسی مسلمان رشتہ دار کو اناج بھیجنے کی کوشش کرتا تو اس میں بھی مزاحم ہوتے۔ غرض مسلمان اور بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ جب تین سال اسی

Marfat.com

حالت میں گزر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے چچا سے کہا۔

''عم محترم میرے اللہ نے خبر دی ہے کہ قریش کے معاہدے کو دیمک اس طرح چاٹ گئی ہے کہ اللہ کے نام کے سوا اس میں باقی کچھ نہیں رہا۔''

- یہ بات سن کر ابو طالب نے کفار قریش سے جا کر کہا کہ اے گروہ قریش میرے بھتیجے نے مجھ کو یہ خبر دی ہے کہ تمہارے معاہدے کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اللہ کے نام کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ تم اپنا معاہدہ لاؤ اگر یہ خبر ٹھیک ثابت ہوئی تو تمہیں قطع رحمی سے باز آ جانا چاہئے اور اگر غلط نکلے تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ کفار قریش بخوشی اس پر راضی ہو گئے اور جب معاہدہ دیکھا گیا تو وہ ویسا ہی پایا گیا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو بتایا تھا۔ چنانچہ معاہدہ ختم ہو گیا۔

119 سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں!

- ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کی حدود میں اپنی چچا زاد بہن حضرت ام ہانی کے گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ سے ملاقات کے مشتاق ہیں۔''

- بندگی، بندگی میں بڑا فرق ہے۔ ایک بندگی عام مسلمان و مؤمن کی جو سراپا انتظار کی کیفیت ہے کہ کب اور کہاں سے کوئی رمق یا تجلی نمودار ہو جو اس کے اذعان و یقین کی چنگاری کو شعلۂ جوالہ میں تبدیل کر دے اور ایک بندگی کی شان وہ ہے جو رسول کی ہوتی ہے جس کا یہ مقام ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے برگزیدہ فرشتے آسمانوں میں ان کی آمد کے منتظر ہوتے ہیں۔ اسی فرق و تفاوت کو علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

؎ عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر
ایں سراپا انتظار، او منتظر

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم، فرقانِ حمید میں جہاں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی لطف وکرم کا موقع ہے، وہاں آپ کی نسبت عبدیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مثلاً معراج مبارک کی عظیم سعادت کے موقع پر ارشاد ہے:

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۱)

گویا معراج کی فضیلت کا خصوصی تعلق عبدیت کے ساتھ ہے۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام براق لے کر آئے تھے۔ سواری کا یہ مقدس جانور بجلی کی طرح تیز رفتار تھا۔ حضور اس براق پر سوار ہوکر حضرت جبرئیل کی معیت میں بیت المقدس پہنچے۔ وہاں تمام انبیائے سابقین پہلے سے موجود تھے اور نماز کے لئے صفیں آراستہ کئے اس طرح حضور کے منتظر تھے جس طرح مقتدی صفیں باندھے امام کی آمد کے منتظر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور نے اپنا براق صخرا سے باندھا اور پھر مصلی پر جلوہ افروز ہوکر انبیاء کی امامت فرمائی۔

- جب رسول اللہ بیت المقدس میں نماز سے فارغ ہوئے تو براق حضور کو لے کر آسمانوں کی طرف عازم پرواز ہوا۔ پہلے آسمان پر حضور کو حضرت آدم علیہ السلام نے خوش آمدید کہا۔ حضور دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں حضور کو حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مبارک باد دی۔ حضور تیسرے آسمان پر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضور چوتھے آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام نے حضور کو خوش آمدید کہا۔ پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضور چھٹے آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوش آمدید کہا اور حضور ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں ابو الانبیاء حضرت ابرہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان تک کا سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق پر سوار ہوکر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں طے کیا تھا۔

اس سے آگے جب سدرۃ المنتہیٰ کا مقام آیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری حد پرواز ہے۔ اگر میں اس

مقام سے ایک بال برابر بھی آگے بڑھ جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات میرے پروں کو جلا کر رکھ دیں گے۔''

- چنانچہ براق اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہی رہ گئے اور اس سے آگے حضور اکیلے ہی تشریف لے گئے اور تمام حجابات سے گزرتے ہوئے ''مقام قاب قوسین'' (دو ہاتھ کا فاصلہ) پر فائز ہوئے۔ اسی مبارک مقام پر رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور کے دونوں کاندھوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا، جس سے حضور نے اپنے سینے مبارک میں ٹھنڈک محسوس کی اور زمین و آسمان کی ہر چیز کو جان لیا۔ رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچنے پر عرض کیا:

''التحیٰت للہ و الصلوات والطیبات''

حضور کے ان تین ہدیوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات پر اس سلام رحمت اور برکت میں اپنی امت کو شامل کرتے ہوئے فرمایا۔

''السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین''

- اسی شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے لئے معراج کا تحفہ عطا فرمایا۔ یہ تحفہ پچاس نمازوں کا تھا۔ حضور یہ تحفہ لے کر واپس ہوئے تو اثنائے راہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی امت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ واپس جائیے اور کم کرائیے۔ رسول اللہ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم فرما دیں۔ حضور واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ابھی بہت زیادہ ہیں۔ پھر جائیے۔ اس طرح حضور اللہ کے حضور جاتے رہے اور آتے رہے اور نمازیں پانچ پانچ کم ہوتی رہیں۔ آخر پانچ رہ گئیں۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے نبی! یہ خیال نہ کرنا کہ نمازوں کو کم کیا ہے تو ثواب بھی کم کر دیا ہے۔ نہیں جو پانچ نمازیں پڑھے گا پچاس نمازوں کا ثواب پائے گا۔''

Marfat.com

- اسی طرح نمازیں کم کرانے کے بہانے رسول اللہ ﷺ بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے جاتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہی تھا۔ اس معراج کے موقع پر رسول اللہ کو سورۃ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں جن کا اختتام اس دعا پر ہوتا ہے۔

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو گئے ہوں، تو ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر تو ہمارا مولیٰ ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔''

- شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت، دوزخ اور دیگر بہت سے اسرار کا مشاہدہ کرایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور اپنی اُمت کے لئے بخشش طلب کی۔

- اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں مشاہدہ کرنے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو حضور کا بستر مبارک بدستور گرم تھا اور دروازے کی کنڈی بدستور ہل رہی تھی۔ گویا کہ حضور مکاں سے لامکاں کا سفر ایک آن میں طے کر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا ذکر سب سے پہلے حضرت ام ہانی سے کیا۔ حضرت ام ہانی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بات لوگوں کو نہ بتائیں وہ فوراً اس کا انکار کر دیں گے۔ مگر آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم میں یہ واقعہ لوگوں کو ضرور بتاؤں گا چاہے کوئی تصدیق کرے یا نہ کرے۔''

- چنانچہ نبی کریم خانہ کعبہ میں تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ لوگوں نے سن کر سخت حیرت کا اظہار کیا۔ ابوجہل نے سنا تو بھاگا بھاگا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ اے ابوبکر! کوئی شخص رات ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمانوں پر جا کر واپس آ سکتا ہے؟ حضرت ابوبکر نے جواب

دیا کہ نہیں۔ اس پر ابوجہل نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا ہے کہ وہ رات ہی رات میں بیت المقدس اور آسمانوں سے ہو آیا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا۔

''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہتے ہیں تو وہ واقعی رات ہی رات میں بیت المقدس اور آسمانوں سے ہو آئے ہیں۔ تمہیں اس بات پر تعجب کیوں ہے؟ میں تو ان کی بابت اس سے بھی بڑی بات تسلیم کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں کہ رات یا دن کی کسی گھڑی میں آسمان سے وحی ان کے پاس آتی ہے اور میں حضور کی تصدیق کرتا ہوں۔ جس بات پر تم حیران ہو۔ وحی کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے مگر میں اسے مانتا ہوں۔''

- اس کے بعد ابوجہل نے بھاگ دوڑ کر کے بہت سے لوگوں کو جمع کر لیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد کھڑا کیا۔ ان لوگوں کی خواہش پر جب حضور نے واقعہ معراج دوبارہ بیان فرمایا تو لوگوں نے کہا۔ آسمانوں کی باتیں ہم نہیں جانتے ہم نے بیت المقدس دیکھا ہوا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ آج تک بیت المقدس نہیں گئے۔ یہ بتائیے کہ اس کے دروازے اور ستون کتنے ہیں؟ بیت المقدس کے متعلق یہ معلومات اس نوعیت کی تھیں جنہیں روز اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا بھی یاد نہیں رکھ سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بیت المقدس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نگاہوں کے سامنے کر دیا اور حضور نے بیت المقدس کے دروازوں اور ستونوں کی صحیح تعداد بتا دی۔ کسی ایک نے کہا کہ ہمارے قافلے آنے والے ہیں یہ بتائیے کہ کیا آپ نے انہیں راستے میں کہیں دیکھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں پہلا قافلہ میں نے مقام روحہ میں دیکھا ہے۔ یہ قافلہ چہار شنبہ کے روز سورج غروب ہونے تک یہاں پہنچ جائے گا۔ دوسرا قافلہ مقام ذی مرہ پر دیکھا ہے۔ یہ قافلہ چہار شنبہ کے روز دوپہر تک پہنچ

جائے گا۔ تیسرا قافلہ مقام النعم پر دیکھا تھا۔ اب یہ قافلہ بیضاء کی گھاٹی سے نیچے اتر رہا ہے۔ لوگ یہ سن کر بیضاء کی گھاٹی کی طرف تیزی سے دوڑتے ہوئے گئے تو انہوں نے قافلے کو وہاں موجود پایا۔"

اس طرح تینوں قافلوں اور ان کی آمد کے بارے میں وہ تمام نشانیاں درست ثابت ہوئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھیں۔

- الغرض یہ معراج کیا تھی، نبی عربی محمد ﷺ کے علومِ انبیاء کی وراثت تھی۔ ساری دنیا کی پیغمبری کے لئے ان کا شرح صدر تھا، عالمِ انسانیت کے لئے ایک ہادی، ایک اُمت، اور ایک دین ہونے کی بشارت تھی۔

"ہزاروں درود اس ذاتِ والا صفات پر جس کو نبوت کبریٰ کا یہ شرف عطا کیا گیا اور ہزاروں تعریف اس پروردگار کی جس نے نوعِ انسانی پر اپنی رحمت کے لئے یہ شرف عطا فرمایا۔"

- اس مبارک سفر کے بارے میں مرحوم مولانا کوثر نیازی نے بھی کیا خوب کہا تھا:

تیری عظمت دیکھ کے معراج کی رات
جبرئیل کو خواہش ہے کہ بشر ہو جائے

۱۲۰ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ پر ایمان لائے تھے آپ سے ان کا وہ تعلق تھا جو ایک امتی کو اپنے پیغمبر سے ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جیسا کہ واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ وہ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے اور ہمہ تن سب کچھ آپ پر قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ آخر دنیا کی ایسی کونسی تاریخ ہے جس کے بیان کرنے والے مورخین اس تاریخ سے ایسا والہانہ تعلق رکھتے ہوں کہ بیان کرتے جاتے ہیں، روتے جاتے ہیں اور کانپتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ کوئی کم حیثیت یا معمولی ذہنی سطح کے نہیں تھے۔ بلکہ مکہ مکرمہ کے بہترین اور شریف ترین عالی دماغ انسان تھے۔ یہ بلند مرتبہ، عالی منصب، دولت مند اور مہذب افراد تھے۔ ان میں آپ کے وہ قریبی عزیز اور رشتہ دار بھی تھے جو آپ کی گھریلو اور گھر سے باہر کی زندگی سے

Marfat.com

پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اولین چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم جن کا شمار اپنے وقت کے سربرآوردہ افراد میں ہوتا ہے اسی ابتدائی دور میں داخل اسلام ہوئے تھے۔

۱۲۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان کام کا اندازہ کر کے دیکھیں کہ اسلام کا بیج کیسے قلوب پاک میں بویا گیا کہ دشمن دوست بن گئے اور جاں نثار ثابت ہوئے۔ رنگتوں کا اختلاف، حسب ونسب، قومیت کا تفرقہ، ملکی خصوصیت کا امتیاز سب کچھ جاتا رہا۔ دین واحد نے سب کو ملت واحدہ بنا دیا۔ نجاشی ملک حبشہ، صبغر ملک عمان، اکیدر شاہ دُومتہ الجندل، نُزبر کے وحشی، تہامہ کے بدو اور یمن کے مسکین سب دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہو رہے ہیں۔ عبداللہ بن سلام یہودیت، ورقہ بن نوفل عیسائیت اور عثمان بن طلحہ براہمیت کی مسندہائے امامت کو چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار ہونے پر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ یہودیوں کا زرخرید غلام سلمان فارسی اہل بیت کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے اور بت پرستوں کا زرخرید غلام بلال حبشی کو فاروق اعظم آقا آقا کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہی خالد بن ولید جو جنگ احد میں کفار کے ایک رسالہ کی کمانڈ کرتا ہے اور مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتا ہے کچھ عرصہ بعد حاضر ہوتا ہے اور لات وعزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھوں سے گراتا اور اسلامی فتوحات کے گرم جوش جنرل کا درجہ پاتا ہے۔ وہی عروہ بن مسعودؓ جو حدیبیہ میں آنحضرت کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے قریش کا سفیر بن کر آیا تھا خود بخود مدینہ منورہ میں حاضر ہوتا ہے اور اپنی قوم میں دعوت اسلام کی اجازت لے کر اسی خدمت میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہی سہیل بن عمرو جس نے معاہدہ حدیبیہ میں کفار کی جانب سے عہدنامہ میں اسم پاک کے ساتھ لفظ ''رسول اللہ'' لکھے جانے پر انکار کیا تھا۔ آپ کے وصال مبارک کے بعد بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت اور دین الٰہی کی تائید میں ایسی زبردست تقریر کرتا ہے جو کہ سینکڑوں دلوں میں ایمان بھر دیتی ہے۔ وہی عمر بن خطابؓ جو تلوار لے کر گھر سے آنحضرت کے نعوذ باللہ قتل کے ارادے سے نکلا تھا۔ آپ کے وصال مبارک کے بعد برہنہ شمشیر لے کر کہہ رہا ہے کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ وہی وحشی جس نے امیر حمزہ ؓ کو شہید کیا اور جسم کی بے حرمتی کی

کچھ دنوں بعد مسلمان ہو جاتا ہے اور شرم و خجالت سے آپ کے سامنے نہیں آتا اور بالآخر مسیلمہ جیسے کذاب کے قتل کو اپنی حرکت سابقہ کی تلافی سمجھتا ہے۔ وہی طفیل دوسی روئی کی ڈاٹ کانوں میں لگا کر پھرتا تھا کہ آپ کی آواز کانوں میں نہ پہنچے بالآخر اپنے وطن میں پھرتا ہے اور آپؐ کی آواز کو گھر گھر پہنچاتا ہے اور وہی بریدہ بن الحصیب اسلمیٰ جو قریش سے ۱۰۰ سرخ شتر کے انعام کا وعدہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کیلئے ۷۰ سواروں کا دستہ لے گیا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد نبی کریم کا علم بردار بن گیا۔ وہی عبد یا لیل جس کو سمجھانے کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر طائف تشریف لے گئے تھے اور اس نے آپ کا وعظ سننے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آبادی کے اوباش لڑکوں کے ذریعہ آپ کو حد سے زیادہ اذیت پہنچائی اور آپ پر پتھروں کی بارش کروا دی اور جب آپ کو یہ کہا گیا کہ آپ اس کیلئے بددعا کریں تو آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس شہر طائف کی آئندہ نسلوں کو ایمان عطا فرمائے گا اب وہی دشمن اسلام خود بخود اسلام کیلئے اپنے دل میں جگہ پاتا ہے اور دلی شوق و روحانی طلب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد لے کر حاضر ہوتا ہے کہ اسلام کی نسبت پوری معلومات حاصل کرے۔

- اس معاشرہ میں عورت کی کیا حیثیت تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ان کے ہاں لڑکی کا پیدا ہو جانا، موجب ہزار شرم و عار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس عار سے بچنے کی شکل یہ پیدا کی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہ بھی نہیں کہ پہلے انہیں مار ڈالیں اور پھر دفن کریں، بلکہ جیتی جاگتی، چلتی پھرتی، ابا ابا پکارتی بچی کو اپنے ہاتھوں گڑھے میں دھکیل کر مٹی میں دبا دیتے۔ قبیلۂ بنی تمیم کے رئیس قیس بن عاصم جب ایمان لائے ہیں تو انہوں نے خود اقرار کیا کہ میں نے اپنے ہاتھوں آٹھ زندہ لڑکیاں دفن کی ہیں۔ پھر تماشا یہ کہ اس قساوت و شقاوت میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ مائیں خود اپنی بچیوں کو بنا سنوار کر زندہ گاڑنے کے لئے ان کے باپ کے حوالہ کرتیں۔ حالانکہ ''ماں کی ممتا'' ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کی جاتی ہے اور بعض قبائل میں تو یہ طریقہ چل پڑا تھا کہ کبھی تو زچگی کے وقت ہی عورت کے آگے ایک گڑھا کھود رکھا جاتا تھا تاکہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسی

وقت اسے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے اور کبھی اگر ماں اس پر راضی نہ ہوتی یا اس کے خاندان والے اس میں مانع ہوتے تو باپ بادلِ ناخواستہ اسے کچھ مدت تک پالتا اور پھر کسی وقت صحرا میں لے جا کر زندہ دفن کر دیتا۔ اس معاملہ میں جو شقاوت برتی جاتی تھی اس کا قصہ ایک شخص نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ بیان کیا۔ سننِ دارمی کے پہلے ہی باب میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے عہد جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی۔ جب میں اس کو پکارتا تو دوڑی دوڑی میرے پاس آتی تھی۔ ایک روز میں نے اس کو بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔ راستہ میں ایک کنواں آیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنویں میں دھکا دے دیا۔ آخری آواز جو اس کی میرے کانوں میں آئی وہ تھی ہائے آبا، ہائے آبا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو دیئے اور آپ کے آنسو بہنے لگے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا اے شخص تو نے حضور کو غمگین کر دیا۔ حضور نے فرمایا اسے مت روکو، جس چیز کا اسے سخت احساس ہے اُس کے بارے میں اسے سوال کرنے دو۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنا قصہ پھر بیان کر۔ اس نے دوبارہ اسے بیان کیا اور آپ سن کر اس قدر روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا اللہ نے اسے معاف کر دیا، اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرو۔

۱۲۲ یہ سب کرشمے اس پاک تعلیم کے ہیں جو کہ آہستہ آہستہ دلوں کو فتح کرتی جاتی تھی اور آپ کا عظیم الشان معجزہ یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں کو بدل دیا، روح کو پاکیزہ بنا دیا اور ایک دین واحد کے رشتہ میں منسلک کر دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ رسول خدا نے اپنی صداقت کے ثبوت میں اپنی تعلیم کو پیش کیا، معجزہ یا خرق عادت کو پیش نہیں کیا۔ حالانکہ دیگر واقعات میں کسی ضرورت کے لئے معجزات کا ظہور بھی بکثرت ہوتا رہتا تھا۔ اس ضمن میں آپ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ کا ذکر ملتا ہے جو کہ قریش مکہ کی اس مشاورت میں شامل تھے جس نے آنحضرت کو دنیاوی مال و دولت اور دنیا کی ہر قسم کی آسائش دینے کی فرمائش کی تھی کہ آپ ان کے بتوں کو برا نہ کہیں اور اپنی تعلیم کو روک دیں۔ مگر جب آپ نے انکار کیا تو انہوں نے بعض

Marfat.com

معجزات کے لئے آپ کو کہا کہ آپ ان پہاڑوں کو ہٹا دیں اور پانی کی نہریں جاری کر دیں۔ نیز ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر دیں اور خاص طور پر قصی بن کلاب کا ذکر کیا جو کہ ان کا سردار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑدادا تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان کاموں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو اللہ کا پیغام آپ کو پہنچا رہا ہوں اور اگر قبول کر لو گے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ عبداللہ نے آپ سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قوم نے آپ سے کچھ چیزوں کے لئے سوال کیا۔ لیکن آپ نہیں مانے۔ اب تو میں آپ پر کبھی بھی ایمان نہیں لاؤں گا۔ اگرچہ آپ میرے سامنے آسمان کی طرف زینہ لگا کر اوپر چڑھیں اور پھر میرے سامنے نیچے اتریں اور ساتھ ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ آپ کی شہادت دیں تب بھی میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ سیرت بن ہشام کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی عداوت میں عبداللہ کتنا سخت تھا لیکن چند سال بعد فتح مکہ سے پہلے ہی یہی عبداللہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایسے شخص کا اسلام لے آنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا معجزہ ہے جو کہ آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جانے، واپس آنے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ یہ تو وہ باتیں تھیں جن کو دیکھ کر بھی عبداللہ ایمان نہیں لانا چاہتا تھا۔

- رسولِ عربی کے متبعین اس بارے میں لائق تحسین ہیں کہ انھوں نے کبھی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کی فرمائش نہیں کی۔ وہ سب کے سب، عالم ہوں کہ تاجر یا سپاہی صرف آپ کی تعلیمات کی اخلاقی شہادتوں پر نظر رکھتے تھے۔ وہ اپنے تمام دنیاوی مفادات اور اپنی تمام دنیاوی اُمیدوں کو قربان کر کے، اپنے بے یار و مددگار معلم کے گرد جمع ہو گئے اور زندگی اور موت میں آپ کی انسانی شخصیت کے ساتھ ایسی وفاداری و جاں نثاری سے وابستہ رہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ (روحِ اسلام، سید امیر علی)

۱۲۳ حضرت اویس قرنیؒ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے مگر ان کی حضور سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ ضعیف تھیں ان کو چھوڑ کر نکل نہیں سکتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ڈرتے تھے کہ غلبہ عشق سے

حضور کے دیدار کی تاب بھی لا سکیں گے یا نہیں۔ غزوۂ اُحد میں آنحضرت ﷺ کا مبارک دانت شہید ہونے کی خبر جب اُن تک پہنچی تو اِس عاشق رسول نے ایک ایک کر کے اپنے سارے دانت توڑ ڈالے اس لئے کہ اُن کو معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کا کونسا دانت مبارک شہید ہوا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت اویس قرنی سے غائبانہ محبت تھی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ قرن میں اویس نامی ایک شخص ہے جسے قیامت کے روز قبیلہ بیضہ اور معز کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری امت کے لوگوں کی شفاعت کا حق ہوگا اور اس کے بعد روئے مبارک حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی طرف کر کے فرمایا کہ تم دونوں اس کو دیکھو گے وہ ایک میانہ قد اور لمبے لمبے بالوں والا آدمی ہے جس کے بائیں پہلو پر درہم کے برابر سفید داغ ہے مگر وہ برص نہیں ہے اور اسکے ہاتھوں اور ہتھیلیوں پر بھی ویسا ہی نشان ہے، جب تم اس سے ملو میرا سلام دینا اور اس سے کہنا کہ میری امت کے حق میں دعا کریں۔ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ساتھ مکہ معظمہ آئے اور حضرت اویس قرنی سے ملاقات کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام مبارک ان کو پہنچایا۔ (نقوش اقبال نمبر)

- حضرت اویس قرنیؒ بہت بڑے مرتبے کے صاحب ایمان اور صف اول کے عاشق رسول تھے۔ غالباً امام غزالیؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ روضۂ رسول ﷺ پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے، آستانۂ حرم تک پہنچے ہی تھے کہ کسی کی آواز آئی وہ سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک ہے یہ سن کر وہ بے ہوش ہو گئے اور تاب نہ لا سکے۔ بعض روایات کے مطابق جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حصہ لیا اور شہید ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اویس قرنیؒ تابعین میں سب سے بہتر ہیں۔

۱۲۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غریب اور مخلص صحابہ کرامؓ سے کس درجہ محبت کرتے تھے اور ان کا کتنا خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ حضرت عبداللہؓ کے واقعہ سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ کا نام عبدالعزیٰ تھا وہ چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ چچا نے ان کی پرورش اپنے ذمے لے لی۔ بڑے ہوئے تو چچا نے اونٹ اور بکریاں ان کو دے دیں اور ان کی حیثیت اچھی ہو گئی۔

یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ حضور مکے میں توحید کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ عبداللہ کے کان میں بھی یہ آواز پڑی، سمجھ دار تھے، طبیعت اس طرف مائل ہوئی۔ دل نے گواہی دی کہ یہ سچی دعوت ہے۔ بت پرستی سے نفرت اور اسلام سے محبت پیدا ہوئی۔ چچا کے زیر سایہ تھے، وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ڈرتے تھے کہ اگر ان کو پتہ چلے گا تو ناراض ہوں گے۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ عبداللہ انتظار کرتے رہے جب بہت بے چین ہوئے تو فیصلہ کر لیا کہ اب جو کچھ بھی ہو اپنے اسلام لانے کا اظہار کر دیں گے چچا کے پاس گئے اور کہنے لگے۔

''چچا جان مجھے انتظار کرتے ہوئے برسوں گزر گئے ہیں کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی روشنی پھوٹے اور کب آپ مسلمان ہوں۔ لیکن آپ کا حال وہی ہے۔ میں اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں مجھے اجازت دیں کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔''

چچا یہ سن کر غصے میں آ گئے اور کہنے لگے۔ اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کیا تو میں تم سے سب کچھ چھین لوں گا۔ تمہارے بدن پر یہ کپڑے بھی نہیں رہنے دوں گا۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ چچا جان میں شرک اور بت پرستی سے بیزار ہوں۔ اللہ ایک ہے اور وہی بندگی کے لائق ہے۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ میں رسول اللہ کی پیروی کروں گا۔ آپ جو چاہے کیجئے۔ یہ مال و دولت جو میرے پاس ہے سب لے لیں۔ مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان سب چیزوں کو آخر ایک روز یہیں چھوڑ جانا ہے اور میں ان چیزوں کیلئے سچا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ عبداللہ نے یہ کہہ کر اپنا سب مال و اسباب چچا کے حوالے کر دیا اور اپنے کپڑے تک اتار کر دیدیئے اور اسی حالت میں ماں کے پاس پہنچ گئے۔

ماں نے بیٹے کو اس حال میں دیکھا تو حیران رہ گئیں۔ پوچھنے پر جواب دیا۔ امی جان میں مسلمان ہو گیا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ چچا نے سب کچھ لے لیا ہے۔ مجھے بدن ڈھانکنے کے لئے کچھ دیجئے۔ ماں نے ایک کمبل بیٹے کے بدن پر ڈال دیا۔ عبداللہ نے کمبل کے دو ٹکڑے کئے ،ایک کا تہ بند بنا لیا اور دوسرا چادر کی

طرح اوڑھ لیا۔ اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

حضرت عبداللہ راستے کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے جب مدینہ منورہ پہنچے تو صبح ہونے والی تھی۔ وہ مسجد نبوی میں پہنچ کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ نماز کے بعد حضور کی نگاہ ان پر پڑی تو آپ نے پوچھا "تم کون ہو" انہوں نے جواب دیا۔ میرا نام عبدالعزیٰ ہے فقیر اور مسافر ہوں۔ آپ سے ملنے اور اسلام قبول کرنے حاضر ہوا ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا نام اب عبداللہ ہے۔ تم ہمارے پاس ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔ حضور کا ارشاد سن کر عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عبداللہ اسی دن سے مسجد نبوی میں اس چبوترے پر رہنے لگے، جہاں دین کا علم سیکھنے والے رہتے تھے۔ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے تھے اور ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کیلئے یہاں رہتے تھے۔ ان کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بڑے جوش میں اونچی آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ کہنے لگے یہ اتنی اونچی آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں، اس سے دوسروں کے قرآن پڑھنے میں حرج ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا:

"اے عمر! اسے کچھ نہ کہو یہ تو اللہ اور اس کے رسول کے لئے سب کچھ چھوڑ کر آیا ہے۔"

حضرت عبداللہ کو حضور سے بہت محبت تھی۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ وہ حضور کے اتنے قریب تھے اور حضور بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔

۹ ہجری میں جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے مدینہ منورہ سے مسلمانوں کا لشکر لے کر نکلے تو عبداللہ بھی ساتھ تھے۔ شہادت کی تمنا دل میں تھی۔ راستے میں حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے شہادت نصیب کرے۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاؤ کسی درخت کی چھال اتار لاؤ۔''

جب وہ چھال اتار کر لائے تو حضورؐ نے وہ چھال ان کے باندھ دی اور فرمایا:

''اے اللہ میں عبداللہؓ کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں۔''

حضرت عبداللہ نے حیران ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں شہادت کا آرزومند ہوں اور آپ میرا خون کافروں پر حرام کر رہے ہیں۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ کی راہ میں کافروں سے لڑنے کو نکلے ہو تو اگر لڑائی سے پہلے تمہیں بخار آ جائے اور اس حالت میں تم مر جاؤ تو بھی شہید ہو گے۔''

اللہ کی شان کہ جب اسلامی لشکر تبوک پہنچا تو حضرت عبداللہ کو بخار ہو گیا اور اسی بخار میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جب ان کو دفن کیا جانے لگا تو رات ہونے لگی تھی۔ حضرت بلال کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے انہیں قبر میں اتارا۔ حضور بھی ان کی قبر میں اترے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے:

''اے اللہ! میں عبداللہ سے راضی تھا تو بھی راضی ہو جا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ یہ دعا سن کر میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش ان کی جگہ میری موت آئی ہوتی اور حضور میرے بارے میں یہ الفاظ کہتے۔

۱۲۵ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ کے خوبرو اور سجیلے نوجوان تھے، ان کا دمکتا ہوا چہرہ روشن پیشانی اور آواز شیریں تھی۔ ان کی گفتگو دلکش ہوا کرتی تھی، جو کوئی انہیں دیکھتا تھا وہ ان کا دلدادہ ہو جاتا تھا اور جو کوئی ان کی آواز سنتا تھا تو اس کا دل ان کی طرف مائل ہو جاتا تھا۔ خوبصورتی کے ساتھ ساتھ وہ خوش پوش بھی تھے اور اپنے لباس اور وضع قطع کی طرف پوری توجہ دیتے تھے۔ دیکھنے والا ایک ہی نظر میں یہ معلوم کر لیتا تھا کہ یہ نہایت خوش حال اور مال دار ہیں۔ وہ عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے چنانچہ جب کبھی وہ کسی محفل کے پاس

Marfat.com

سے گزرتے تھے تو لوگ ان کی عمدہ خوشبو سے یہ معلوم کر لیتے تھے کہ مصعب بن عمیر آ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کرام سے ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور ان کی عادات و خصائل کی تعریف کیا کرتے تھے۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر، ایک دن خانہ کعبہ کی طرف چاشت کے وقت گئے اس وقت وہ بہت خوش و خرم تھے۔ اس وقت مکہ معظمہ میں بادِ نسیم کے ٹھنڈے جھونکے چل رہے تھے جن سے دل و دماغ اور جسم کو سرور و نشاط حاصل ہو رہا تھا جو انسان کو کچھ سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کر رہا تھا اور اس کی طبیعت یہ چاہتی تھی کہ کوئی خوشگوار گفتگو کرے۔ اس خوشگوار موسم میں حضرت مصعب بن عمیر ایک محفل میں پہنچے اور وہاں تھوڑے فاصلے پر بیٹھ کر گفتگو سننے لگے وہ اس شخصیت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جنہوں نے ان کے شہر میں ہلچل برپا کر دی تھی کیونکہ وہ ان کے پسندیدہ دین و مذہب کو تبدیل کرنا چاہتے تھے اور کمزور انسانوں کو طاقت ور انسانوں پر ترجیح دیتے تھے، ان میں غریب اور تنگ دست آزاد اور غلام دونوں شامل تھے۔ یہ لوگ (مسلمان) جب آپ کا کلام سنتے ہیں تو یہ کلام ان کے حلق کے نیچے اسی طرح اُتر جاتا ہے جس طرح کہ وہ نہایت ہی لذیذ اور عمدہ شربت پی رہے ہوں، اِس کلام کو سُن کر کبھی وہ اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ ان کے چہرے خوشی سے دمکنے لگتے ہیں اور کبھی ان کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو اس قدر کثرت سے بہنے لگتے ہیں کہ ان کی داڑھیاں تر ہو جاتی ہیں۔ نوجوان مصعب بن عمیر تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے نرم مزاج لوگوں کی نرمی اور سخت مزاج لوگوں کی سخت کلامی کو ملاحظہ کر رہے تھے اس وقت ان کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ وہ اس شخصیت کے حالات معلوم کریں جن کے بارے میں وہ جھگڑ رہے تھے اور باتوں سے زیادہ جھگڑا کر رہے تھے اس لئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسجدِ حرام سے نکل کر سیدھے حضرت ابن ابی الارقم کے گھر پہنچے جو کوہِ صفا پر واقع تھا۔

جب وہ اس گھر پر پہنچے تو انہوں نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب دروازہ کھلا تو وہ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ حاضرین نے انہیں دیکھا تو ان کی خوبصورت وضع قطع اور عمدہ لباس اور حسین و جمیل شکل سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کے دل میں ایک پوشیدہ تمنا پیدا ہوئی جو صحیح

Marfat.com

اور سچی ثابت ہوئی یہ سب صحابہ کرام چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس خوب صورت نوجوان کو اسلام کی ہدایت دے اور اسے اسلام کی نعمت اور دولت سے مالا مال کر کے ان کی جماعت میں شریک کر دے اور اگر وہ اللہ پر ایمان لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لے تو اس صورت میں مسلمانوں کی جماعت کو اس سے زیب و زینت حاصل ہوگی۔

اس وقت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہ کرام سے مخاطب تھے آپ اپنے ساتھیوں کو خبردار بھی کر رہے تھے اور بشارتُ بھی دے رہے تھے اور قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے جب صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو ان کی نگاہیں اس (نووارد) نوجوان سے ہٹ گئیں اور ان کی نظریں اور قلوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر اور اس کی آمد کو بھول گئے ہیں اور اس سے روگردانی کر لی ہے۔ مگر مصعب بن عمیر کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ان سے بے رخی اختیار کرے اور انہیں فراموش کر دے اس نے یہ ضرور ملاحظہ کیا کہ وہ اس سے روگردانی اختیار کر کے آپ کی آواز پر ہمہ تن گوش ہو گئے ہیں مگر جلد ہی وہ بھی اپنے آپ کو بھول گئے اور اس بشیر و نذیر شخصیت کی طرف متوجہ ہو گئے انہوں نے یہ کلام سُن کر اسے دل میں اتار لیا اور کھڑے ہو کر وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اس جدید مذہب (اسلام) میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے کچھ عرصہ تک مسلمان ہونے کی اطلاع کو پوشیدہ رکھا تا کہ قریش انہیں تکلیف نہ دیں اور ان کی والدہ ناراض نہ ہو جائیں کیونکہ وہ اپنی والدہ سے بے حد محبت کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کے دل کو ٹھیس لگے۔ مگر ایک دن عثمان بن طلحہ نے انہیں نماز پڑھتے دیکھ لیا تو انہوں نے بہت جلد لوگوں میں یہ خبر پہنچا دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کا تمام قبیلہ فوراً ان کا مخالف ہو گیا اور ان کے والدین بھی ان کے مخالف ہو گئے۔ اب وہ تنگ دست اور مفلس ہو گئے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ چونکہ وہاں انہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر نہ تھی اس لئے انہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ وہ امن و عافیت کو چھوڑ کر آپ کے

Marfat.com

قریب رہ کر تمام تکالیف کو برداشت کریں چنانچہ وہ نہایت خستہ حالت میں مکہ معظّمہ پہنچے، ان کا لباس بوسیدہ ہو گیا تھا اور اس قدر پھٹ گیا تھا کہ ستر پوشی نہیں کر سکتا تھا، نیز ان کے جسم کی کھال سخت ہو گئی تھی اور اس میں جھریاں نمودار ہو گئی تھیں حالانکہ اس سے پیشتر ان کا جسم نرم اور نازک تھا۔ جب وہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام کے پاس پہنچے، اور سلام کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے انہیں اس حالت میں دیکھا تھا کہ مکہ معظّمہ میں قریش کا کوئی نوجوان ان سے بڑھ کر اپنے والدین کا لاڈلا اور ناز ونعمت میں پلا ہوا نہ تھا مگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور نیکی کی رغبت نے ان کی یہ حالت کر دی ہے۔''

اس کے بعد حضرت مصعب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہمیشہ رہنے لگے۔ اور قرآنِ کریم کی آیات توجہ کے ساتھ سُن کر انہیں زبانی یاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام میں وہ ایک فقیہ اور زبردست عالم شمار کئے جانے لگے۔ چنانچہ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو اسلام کے پہلے مبلغ کی حیثیت سے مکہ معظّمہ سے باہر مدینہ منورہ میں دینِ اسلام کی نشر واشاعت کے لئے بھیجا۔

● کیرن آرمسٹرانگ ایک اپنی حالیہ تصنیف The Prophet of our Time میں لکھتی ہیں کہ حضرت مصعبؓ کی مدینہ منورہ میں آمد اور تبلیغ سے ایک روز اوس قبیلہ کا ایک سردار سعد بن معاذ یہ سن کر بہت دہشت زدہ ہوا کہ مصعب اس کے علاقے میں تبلیغ کر رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے اسے باہر نکالنے کے لئے اپنے نائب کو بھیجا۔ نائب اپنا نیزہ لہراتے ہوئے چھوٹے سے ٹولے پر آن دھمکا اور مصعبؓ سے پوچھا کہ اسے کمزور و نادان لوگوں میں ایسی باتوں کا پرچار کرنے کی ہمت کیسے ہوئی۔ لیکن حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تشریف رکھے اور خود دیکھ لے۔ نائب مان گیا، اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور قرآن سنتے سنتے ہی اس کی کیفیت بدلنے لگی۔ وہ پکارا: ''کیسا زبردست اور خوبصورت وعظ ہے! اس مذہب میں داخل ہونے کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے؟'' اللہ پر ایمان لانے اور سربسجود ہونے کے

Marfat.com

بعد وہ اپنے سردار کو خبر دینے واپس گیا۔ سعد بہت غصے میں آیا، اپنا نیزہ سنبھالا اور مصعبؓ سے دو دو ہاتھ کرنے خود روانہ ہوا، لیکن قرآن نے اس پر بھی ہیبت طاری کر دی۔ تب اس نے اپنے لوگوں کو بلایا اور اپنی پیروی کرنے کو کہا۔ سارا قبیلہ بصورت جماعت اسلام میں داخل ہو گیا۔ سعد کے ڈرامائی قبولِ اسلام کی خبر نے دیگر سرداروں پر بھی زبردست اثر ڈالا جو مصعبؓ کو زیادہ سنجیدگی سے لینے لگے۔ (پیغمبر امن، ترجمہ یاسر جواد)

- جنگ بدر میں حضرت مصعب رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار تھے، اور وہاں سے فاتح اور غالب ہو کر واپس آئے۔ مدینہ منورہ میں وہ دیگر مفلس اور غریب مہاجر مسلمانوں کی طرح مفلسی اور تنگ دستی میں زندگی بسر کرتے رہے اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہنسی خوشی یہ تکالیف برداشت کرتے رہے۔
- جنگ اُحد کا زمانہ آیا تو اس موقع پر بھی حضرت مصعب اسلامی علم لے کر آگے بڑھتے رہے اور جب جنگ کے میدان میں وہ اپنے مقررہ مقام پر پہنچے تو وہاں ثابت قدم رہے۔ پھر قریش کا مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ ہوا تو قریش اپنے جھنڈے کو چھوڑ کر بھاگ گئے مگر حضرت مصعب اپنے جھنڈے کو لے کر ثابت قدم رہے اور اپنے مقام سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے اور اسی حالت میں شہادت کا مرتبہ پایا۔

جب جنگ اُحد سے قریش واپس چلے گئے تو مسلمانوں نے اپنے شہداء کو ان کی قبروں میں دفن کیا اس وقت حضرت مصعب اپنے چہرے کے بل زمین پر گرے ہوئے تھے۔ جب مسلمانوں نے انہیں دفن کرنا چاہا تو انہیں کفن دستیاب نہیں ہوا صرف کچھ معمولی اور چھوٹا کپڑا ملا، وہ اس قدر چھوٹا تھا کہ اگر ان کے سر کو اس سے ڈھانپا جاتا تھا تو ان کے پاؤں کھلے رہتے تھے اور اگر ان کے پیروں کو ڈھانکا جاتا تھا تو ان کا سر کھل جاتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ حال ملاحظہ فرما رہے تھے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

''مؤمنوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے جو معاہدہ
کیا تھا اسے سچ کر دکھایا، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنا

کام پورا کر لیا اور کچھ ابھی انتظار کر رہے ہیں مگر ان میں ذرا بھی تغیر و
تبدل نہیں آیا۔"

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت مصعب کے اوپر کے حصے کو کپڑے سے ڈھک دیا جائے اور ان کے نچلے حصے کو تر و تازہ گھاس سے ڈھانکا جائے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے قیامت کے دن
تم اللہ کے نزدیک شہداء میں ہو گے۔"

پھر آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے لوگو! تم ان کے مقابر کی زیارت کیا کرو اور ان کے پاس آ کر انہیں سلام کیا کرو کیونکہ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن تک جو کوئی مسلمان ان کے پاس آ کر انہیں سلام کہے گا تو یہ (شہداء) ان کے سلام کا جواب دیں گے۔" (نقوشِ سیرت، حصہ دوم، ڈاکٹر طٰہٰ حسین)

۱۲۶ نقوشِ سیرت (حصہ دوم) میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے واقعات پر کچھ اس طرح روشنی ڈالی ہے:

حارثہ بن شراجیل کے چہرے پر رنج اور پریشانی کے آثار تھے کیونکہ اس کی بیوی (سعدی) اور فرزند (زید) کو گئے ہوئے طویل عرصہ ہو گیا تھا۔ وہ قبیلہ طے کی طرف اپنے خاندان کے لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے گئی ہوئی تھی جو کافی فاصلے پر رہتے تھے۔ وہاں پہنچنے کے لئے اونٹوں کا قافلہ تین دن تک سفر کرتا تھا اس کے بعد وہ دونوں پہاڑوں یعنی اجاء وسلمٰی کے دامن میں قبیلہ طے کی بستیوں میں پہنچتا تھا۔ سعدی اپنے ساتھ اپنے سب سے چھوٹے فرزند زید کو بھی لے گئی تھی، وہ اس وقت نوخیز لڑکا تھا اور تقریباً بارہ سال کا تھا وہ چاہتی تھی کہ اس کی ملاقات اس کے ماموؤں سے کرائے اور وہ اس کے خاندان کے لڑکوں سے تعلقات قائم کر سکے۔ اب حارثہ کئی دنوں سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا چنانچہ دن یا

Marfat.com

رات کی جو گھڑی گزرتی تھی تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے صبر و قرار کا ایک حصہ بھی چلا جاتا تھا اور اپنے بیوی بچے سے شوق ملاقات میں اضافہ ہونے لگتا تھا۔

دن گزرتے گئے مگر اسے اپنی بیوی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی جب حارثہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو وہ قبائل طے کے علاقے کی طرف سفر کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ جب وہ سفر کی تیاری کر رہا تھا تو اسے ایسی اطلاع ملی جس سے وہ بہت پریشان اور مایوس ہو گیا۔ وہ اطلاع یہ تھی کہ عرب کے چند کنگال بدوؤں اور شریر صحرانشینوں نے قبائل طے کے علاقے کے گرد و نواح پر چھاپہ مارا اور وہ ان کے اونٹ ہنکا کر لے گئے اور ان کے بچے (زید) کو بھی اغوا کر لیا اور اس سے پیشتر کہ قبیلے کے افراد مقابلے کے لئے پہنچیں، وہ ایسے مقام کی طرف بھاگ گئے جہاں گھوڑوں کے قدم نہیں پہنچ سکتے تھے، ان کی تلاش میں صحرا کے مختلف راستوں کی طرف جماعتیں بھیجی گئیں مگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

اس اطلاع سے بچے کے والدین بہت پریشان ہوئے اور قبائل طے و کلب دونوں قبیلوں میں صف ماتم بچھ گئی یہ ایسا صدمہ تھا جس کی شفایابی کی کوئی اُمید نہ تھی۔ اسی طرح سال ہا سال گزر گئے حارثہ بیٹے کی جدائی کا رنج و غم برداشت کرتا رہا۔ اس کی والدہ سعدی بھی یاس اور ناامیدی کی تکالیف برداشت کرتی رہی۔ اس اثناء میں قبیلۂ کلب کی جماعت حج کے موسم میں مکہ معظمہ پہنچی وہاں مسجد حرام کے قریب انہوں نے ایک پستہ قد گندم گوں اور بلند ناک والے ایک نوجوان کو دیکھا جو قبیلۂ کلب کے افراد کے حُلیہ کے مشابہ تھا اس سے انہوں نے گفتگو کی اور اس کی آواز سُنی تو انہیں یقین ہو گیا کہ اس کا تعلق قبیلۂ کلب سے ہے۔ انہوں نے اس کی زبان اور حسب و نسب کے ذریعے اسے شناخت کر لیا پھر انہوں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے انہیں بتایا کہ عرب کے اوباش افراد نے اس کے ہم عمر لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ اسے اغوا کر لیا تھا اور انہیں لے کر منتشر ہو گئے تھے اس کا اغوا کرنے والا اسے لے کر عکاظ کی منڈی میں آیا اور اسے ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا جس کا نام حکیم بن حزام بن خویلد الاسدی تھا۔ اس نے اسے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد الاسدی کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے اس کی اچھی طرح خبر گیری اور پرورش کی اور جب ان کا

Marfat.com

نکاح حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب سے ہوگیا جو الامین کے لقب سے مشہور تھے تو انہوں نے زید کو آپ کی خدمت میں ہبہ کر دیا اس لئے اب چند سال سے وہ آپ کی خدمت کر رہا ہے۔

• یہ افراد حج سے فارغ ہو کر اپنے قبیلۂ کلب کی اس بستی میں واپس آ گئے جو شام کے علاقے میں تھی یہاں آ کر انہوں نے بدنصیب والدین کو امید و آرزو اور امن و سکون کا پیغام سنایا اور وہ اس خوشخبری سے خوش و خرم ہو گئے چنانچہ حارثہ اور اس کا بھائی کعب مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ لوگ حضرت الامین (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں گویا ہوئے:

> ''اے عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند! آپ لوگ حرم کعبہ کے پڑوسی اور وہاں کے باشندے ہیں آپ لوگ قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور اسیروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، ہم لوگ آپ کے پاس اس مقصد کے لئے حاضر ہوئے ہیں...... کہ آپ کے پاس جو ہمارا فرزند ہے، اسے لے جائیں آپ ہم پر یہ احسان فرمائیں، ہم جس قدر زر فدیہ ہوگا، ادا کر دیں گے۔''

آپ نے فرمایا: ''ایسا کون ہے۔'' وہ بولے ''وہ زید بن حارثہ ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تم اسے بلاؤ اور اسے اختیار دو اگر وہ تم دونوں کے ساتھ جانا پسند کرے تو تم زر فدیہ ادا کئے بغیر اسے لے جا سکتے ہو اور اگر اس نے میرے ساتھ رہنا پسند کیا تو خدا کی قسم میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ وہ مجھے پسند کرے اور میں اس پر کسی اور کو ترجیح دوں۔''

وہ دونوں بولے: ''آپ عدل و انصاف کی نہایت عمدہ بات کہہ رہے ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے زید کو بلوایا اور ان سے پوچھا: ''کیا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟'' وہ بولے: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا: یہ کون ہیں؟'' وہ بولے یہ میرے والد ہیں اور دوسرے میرے چچا ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''تم مجھے بھی جانتے پہچانتے ہو اور میری صحبت میں رہے ہو اس لئے یا تو مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو ترجیح دو۔'' زید نے جواب دیا:

Marfat.com

''میں وہ شخص نہیں ہوں جو آپ پر کسی کو ترجیح دے سکتا ہو، آپ میرے لئے ماں اور باپ دونوں ہیں۔'' اس پر حارثہ بولے ''کیا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور اپنے باپ، چچا اور تمام گھر والوں کو چھوڑ رہے ہو۔'' زید نے جواب دیا:

''ہاں یہی بات ہے میں نے آپ کے اندر وہ اوصاف دیکھے ہیں جن کی وجہ سے میں کسی شخص کو آپ پر ترجیح نہیں دے سکتا۔'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سنی تو آپ اسے حجرِ اسود کی طرف لے گئے اور فرمایا:

''جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ گواہ رہیں کہ زید میرا فرزند ہے
میں اس کا وارث ہوں اور وہ میرا وارث ہوگا۔''

جب زید کے والد اور چچا نے یہ گفتگو سنی تو وہ دونوں خوش ہو کر لوٹ گئے۔ اس وقت سے وہ زید بن محمد کے نام سے پکارے جانے لگے یہاں تک کہ اللہ نے اسلام کو نمودار کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت عطا کی تو حضرت زید نے زیرنگیں مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ کی دعوت کو لبیک کہا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور دیگر مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی اجازت دی تو حضرت زید بن حارثہ بھی دیگر مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں انہیں اپنے چچا حضرت امیر حمزہؓ بن عبدالمطلب کا دینی بھائی مقرر فرمایا۔

یوں حضرت زید وفادار اور مخلص بن کر اپنے پیغمبر کے احکام کی تعمیل کرتے رہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور اس کے لئے ایثار و قربانی کا نمونہ پیش کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آیا حضرت اُمِ ایمن کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا اور انھیں جنت کی بشارت دی۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۱۲۷ غازی علم الدین شہید دسمبر ۱۹۰۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں لاہور کے ایک آریہ کتب فروش راجپال نے ایک شرانگیز کتاب چھاپی جس میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بے ادب اور ناشائستہ زبان استعمال کی گئی تھی۔ علم الدین گو ناخواندہ تھا لیکن عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کتاب کے سلسلے میں ہونے والے جلسے اور

Marfat.com

جلوسوں میں شرکت کرتا تھا۔ ایک دن سہ پہر کا وقت تھا اس نے کچھ سوچا اور سیدھا راج پال کی دکان میں گیا اور جاتے ہی اس کی گردن پر چھری پھیر کر اسے جہنم واصل کر دیا۔ راج پال کا قصہ تو ختم ہو چکا تھا۔ علم الدین جس کی عمر صرف ۲۱ سال تھی موت کو لبیک کہنے کے لئے تیار تھا۔ آخر کار اس کو پھانسی کا حکم سنایا گیا اور اس اندیشے کے پیش نظر کہ لاہور میں فساد ہو جائے گا؛ حکام اس کو میانوالی لے گئے۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ علم الدین شہید کی آخری ملاقات کے لئے اس کے ورثاء جیل میں بلائے گئے۔ یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگ دیہاتوں سے ڈھول بجا بجا کر نکلتے تھے اور ٹولیوں کی ٹولیاں میانوالی میں جمع ہو رہی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ شہر سے جیل تک دو میل کے فاصلے میں آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

- میاں علم الدین کے چچا حاجی نورالدین بیان کرتے ہیں کہ جب جلاد اس کے گلے میں رسہ ڈالنے کے لئے آیا تو اس نے رسہ کو خود پکڑا، اس کو بوسہ دیا اور اپنے گلے میں خود ڈال لیا۔ حکام نے اس کی لاش جیل کے متصل ہی دفن کر دی۔ لیکن اس کی لاش کو لاہور لانے کے لئے ایک شورِ عظیم اٹھا۔ آخر سر میاں محمد شفیع، سر محمد اقبال اور دوسرے معتبر ترین حضرات نے امن و امان کا ذمہ لیا اور پندرہ دن کے بعد لاش کو لاہور لانے کی اجازت ملی۔ غازی علم الدین شہید نے ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ وہ ایک سچے عاشق رسول تھے اور ساتھ ہی ساتھ دنیا والوں کو خبردار کر دیا کہ رسول کی شانِ مبارک میں بے ادبی کوئی ادنیٰ امتی بھی برداشت نہیں کر سکتا اور عشق رسول کی شمع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روشن کر دی۔

- جب میانوالی جیل میں غازی شہید کی لاش کو زمین سے نکالنے لگے تاکہ لاہور لائی جا سکے تو جیل کے انگریز ڈاکٹر نے اپنی ناک کو رومال سے ڈھانپ لیا۔ لیکن جب نعش برآمد ہوئی تو وہ نہ صرف تروتازہ اور صحیح حالت میں تھی بلکہ اس میں سے دلآویز خوشبو آ رہی تھی۔ اس مشاہدے کا انگریز ڈاکٹر پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ لاہور میں غازی کے جنازے کو کندھا دینے کیلئے بڑے بڑے زعماء، بشمول ڈاکٹر اقبال جیسے حضرات پہلے سے موجود تھے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دین کی خاطر یا حرمت رسول کیلئے اپنی زندگی قربان کر دیتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ لوگ زندۂ جاوید ہیں ۔چند طلباء اس واقعہ کے بارے میں ڈاکٹر اقبال سے تبادلہ خیال کر رہے تھے تو ڈاکٹر صاحب نے بڑے رقت انگیز لہجے میں فرمایا کہ میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص میرے پاس آ کر یہ کہے کہ تمہارے رسول نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ غازی علم الدین کی شہادت ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو ہوئی اور ان کا مزار مبارک میانی شریف لاہور میں ہے۔

● اس ایمان افروز واقعہ کو ۱۵ مئی ۲۰۰۶ء کے روزنامہ جنگ میں جناب حامد میر صاحب نے اپنے کالم ''قلم کمان'' میں کچھ اس طرح لکھا ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ غازی علم دین شہید کون تھے؟ انہوں نے ۱۹۲۹ء میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے ایک پبلشر راج پال کو لاہور میں قتل کر دیا تھا۔ غازی علم دین شہید کے حالاتِ زندگی ہماری نصابی کتب میں زیادہ تفصیل سے درج نہیں اس لئے بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ قتل کے اس مقدمے میں غازی علم دین کے وکیل بنے لیکن وہ مؤکل کو پھانسی کی سزا سے نہ بچا سکے کیونکہ غازی علم دین پھانسی کی سزا کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے اور انہوں نے عدالت میں بار بار اعتراف جرم کیا۔ یہ حقیقت بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو میانوالی جیل میں پھانسی کے بعد غازی علم دین شہید کے جسد خاکی کو میانوالی کے ایک قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ برطانوی سرکار کے اس فیصلے سے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں نے علامہ اقبالؒ کی قیادت میں غازی علم دین کے جسد خاکی کو لاہور لانے کے لئے تحریک شروع کر دی۔ اُس وقت کے چیف سیکریٹری پنجاب مسٹر ایمرسن نے علامہ اقبالؒ سے ایک ملاقات میں کہا کہ وہ غازی علم دین کا جسد خاکی لاہور لانے کا خیال دل سے نکال دیں۔ ۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو برطانوی حکومت کے خلاف لاہور میں ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا۔ اسی شام گورنر پنجاب جیفری ڈی مونٹ نے علامہ اقبالؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، سر فضل حسینؒ، خلیفہ شجاع الدینؒ اور دیگر مسلم زعماء سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ گورنر کا خیال تھا کہ غازی علم دین شہید کا جسد خاکی لاہور آ گیا تو لاکھوں لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور ہنگامے کا خطرہ

Marfat.com

پیدا ہو جائے گا۔ علامہ اقبالؒ نے ضمانت دی کہ اگر ہنگامہ ہوا تو میری گردن اُڑا دیجئے گا۔ اگلے روز گورنر پنجاب نے غازی علم دین شہید کا جسد خاکی لاہور لانے کی اجازت دے دی۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۹ء کو میانوالی میں قبر کشائی ہوئی۔ ڈپٹی کمشنر راجہ مہدی زمان خان سمیت درجنوں افراد نے دیکھا کہ پھانسی کے ۱۳ روز بعد بھی غازی علم دین شہید کے جسم میں تعفن پیدا نہ ہوا تھا۔ موقع پر موجود میانوالی کے اسپتال کا ایک سکھ سول سرجن اس واقعے سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شہید کا جسد خاکی اگلے روز لاہور پہنچا تو جنازے میں شرکت کے لئے لاکھوں افراد اکٹھے ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر ایم ڈی تاثیرؒ(۱) نے میت کے لئے چارپائی ازراہ عقیدت پیش کی۔ پھر شہید کے والد میاں طالع مند سے پوچھا گیا کہ نماز جنازہ کون پڑھائے گا۔ انہوں نے یہ حق علامہ اقبالؒ کو دیا۔ شاعر مشرق نے علماء سے مشورے کے بعد مولانا سید محمد دیدار علی الوریؒ کا انتخاب کیا اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں لاکھوں افراد شریک تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بار بار میت کو قبرستان میانی صاحب تک کندھا دیا اور پھر اپنے ہاتھوں سے میت کو قبر میں بھی اُتارا۔ اس موقع پر انہوں نے غازی علم دین شہید پر رشک کرتے ہوئے کہا کہ:

”ترکھانوں کا لڑکا بازی لے گیا اور ہم منہ دیکھتے رہ گئے۔“

اس پس منظر کو بیان کرنے کا مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ نہ تو غازی علم دین شہید کوئی انتہا پسند مسلمان تھے اور نہ ہی ایک گستاخِ رسول ﷺ کے خلاف اُن کے اقدام کی تائید کرنے

۱۔ ڈاکٹر ایم ڈی تاثیرؒ ۲۲ دسمبر ۱۸۹۲ء کو امرتسر کے ایک قصبہ اجنالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور ہی میں حاصل کی اور ۱۹۳۳ء میں کیمبرج یونیورسٹی (انگلستان) سے پی ایچ ڈی کیا۔ ۱۹۳۷ء میں ایم اے او کالج کے پرنسپل بنے اور پھر ستمبر ۱۹۴۸ء سے اسلامیہ کالج لاہور کے تاحیات پرنسپل رہے۔ علامہ محمد اقبالؒ سے ڈاکٹر تاثیر صاحب کا تعلق بچپن ہی سے تھا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ بڑا گہرا قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ یہ شرف بھی شاید صرف تاثیر صاحب کو ہی حاصل ہے کہ علامہ نے ان کا نکاح نامہ خود ہی تیار کیا، خود ہی شادی کا دن مقرر کیا اور خود ہی تاثیر صاحب اور بیگم تاثیر صاحبہ کا نکاح پڑھایا۔ اُن کی وفات ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں ہوئی۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

والے قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ انتہا پسند تھے۔ گستاخِ رسول پبلشر راج پال کی کتاب ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے احتجاج پر راج پال کے خلاف مقدمہ قائم ہوا۔ لاہور کے ایک سٹی مجسٹریٹ نے راج پال کو چھ ماہ قید کی سزا سنائی لیکن ہائی کورٹ کے جج کنور دلیپ سنگھ نے ملزم کو رہا کر دیا۔ کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے باوجود راج پال سزا کا مستحق نہ ٹھہرا تو پھر غازی علم دین شہید نے اُسے خودسزا دینے کا فیصلہ کیا۔

- روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت ۳؍جنوری ۱۹۹۹ء میں جناب سلطان محمود کے کالم ''پرایا دیس اپنے لوگ'' میں ایک ایمان افروز واقعہ علم الدین شہید کے بارے میں جناب سلطان محمود نے یوں بیان کیا ہے:

- عاشق رسولؐ غازی علم دین شہیدؒ کے ذکر پر ماضی کے جھروکوں سے مجھے ایک ایمان افروز قصہ یاد آ گیا ہے یہ کوئی چالیس بیالیس سال پہلے کا قصہ ہے صحافتی دشت وصحرا کی جادہ پیمائی کرنے سے پہلے میں نے ایک بہت مختصر عرصہ کے لئے لاہور سول سیکرٹریٹ میں سرکاری ملازمت کی تھی۔ یہ ون یونٹ کا زمانہ تھا اور میں حکومت مغربی پاکستان کے محکمہ جیل خانہ جات سے بھی وابستہ تھا اور شیخ محمد اقبال صاحب میرے پاس ہوا کرتے تھے۔ انگریزوں کے زمانے میں بھی شیخ صاحب ایک اعلیٰ حکومتی عہدہ پر فائز تھے۔ شیخ موصوف جو اب بھی ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اور سال و ماہ کی سنچری پوری کرنے کے قریب قریب پہنچ چکے ہیں۔ میرے باس تو تھے ہی لیکن ان کی مجھ پر شفقتوں اور محبتوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں ان کے دونوں بیٹوں ریاض اور اعجاز جو میٹرک کے طالب علم تھے کو ٹیوشن پڑھایا کرتا تھا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرے ان شاگردوں نے عملی زندگی میں بہت نام اور دام پایا ہے اوران کی اس معاشرتی اٹھان اور معاشی استحکام کا کریڈٹ شیخ صاحب آج بھی مجھے ہی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز احمد شیخ ملک کا مشہور ڈینٹل سرجن ہے اور اس کی لاہور گلبرگ میں اپنا کلینک ہے۔ ریاض بھی ایم اے پاس ہے اور اس کا لاہور میں وسیع کاروبار ہے۔ بیٹوں کا ٹیچر ہونے کے ناطے شیخ صاحب نے کبھی بھی مجھے اپنا ماتحت نہیں سمجھا تھا۔ وہ مجھے بھی اپنا بیٹا ہی سمجھا کرتے تھے اور کئی دہائیاں گزرنے کے بعد ہمارا یہ باہمی رشتہ آج بھی بڑی استقامت سے

برقرار ہے لہٰذا میں بے دھڑک ہو کر شیخ صاحب کے دفتر (کمرہ) میں بلا اجازت جا گھستا تھا۔ ایک دن میں کسی سرکاری فائل پر ان کے دستخط کروانے ان کے دفتر میں گیا تو وہاں ایک ڈھلتی عمر کا سیاہ رنگ اور درمیانے قد کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس شخص کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ شخص جس کا پہلا نام اب مجھے یاد نہیں رہا اور اس کا آخری نام مسیح تھا۔ حکومت کے ذمہ اپنے کچھ واجبات کے حصول کے سلسلہ میں شیخ صاحب کے پاس آیا ہوا تھا۔ شیخ صاحب نے مجھے اس شخص کے بارے میں بتایا کہ یہ سرکاری جلاد ہے اور جیلوں میں مجرموں کو یہی شخص پھانسی دیتا ہے۔

• سرکاری فائلوں میں میرا دل قطعی نہیں لگتا تھا اور میرے اندر لکھنے لکھانے کی چنگاری سلگ چکی تھی چنانچہ میں نے اس جلاد کو اس کے فرائض کے حوالے سے کریدنا شروع کر دیا۔ اس نے جو کچھ میرے استفسار پر بتایا وہ کچھ اس طرح تھا:

> ''میں نے اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں کو پھانسی کا پھندہ پہنایا ہے بڑے بڑے بدمعاشوں، قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پھانسی کے تختے پر لٹایا ہے۔ ان میں بعض ایسے بدمعاش اور قاتل بھی ہیں جن کا نام سن کر لوگ کانپ اٹھتے تھے۔ ہر طرف ان کی دہشت پھیلی ہوئی تھی، وہ اپنے آپ کو بڑا بہادر اور موت سے بے خوف سمجھا کرتے تھے لیکن صاحب جی! یہ لوگ حقیقت میں بڑے بزدل تھے۔ جب انہیں میرے سپرد پھانسی دینے کے لئے کیا جاتا تھا تو ان کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ موت کے خوف سے ان کی ٹانگیں تھر تھر کانپتی تھیں وہ بلبلا کر رویا کرتے تھے کہ ہمیں معاف کر دو، پھانسی نہ دو، بعض مجرموں کا خوف کی وجہ سے پیشاب تک نکل جایا کرتا تھا۔ لیکن صاحب جی! میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک شخص کو خوشی خوشی پھانسی کا پھندہ پہنتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ غازی علم دین ہے۔ جب انہیں پھانسی دینے کے لئے میری تحویل میں دیا گیا تو ان کے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا تبسم عجیب بہار دکھا

Marfat.com

رہا تھا۔ وہ بڑے پرسکون اور مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے چہرے پر کسی قسم کے غم اور خوف کے آثار نہیں تھے۔ وہ تو موت کو اپنے کسی محبوب کا پیغام وصل سمجھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔"

● "باؤ جی! انگریزوں کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ مجھے جس مجرم کو پھانسی پر لٹکانا ہوتا تھا تو پھانسی کے عمل سے تھوڑی دیر پہلے مجھے اس کی کال کوٹھڑی میں لے جایا جاتا تھا تاکہ میں اپنے شکار کو اچھی طرح دیکھ لوں۔ اس اصول کے تحت جب میں غازی علم دین کی کوٹھڑی کے قریب گیا تو میں اپنے حضرت یسوع مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کی کوٹھڑی سے اس قدر شاندار خوشبوؤں کے ریلے آ رہے تھے جیسے فرشتوں نے وہاں خدائی اگر بتیاں جلا رکھی ہوں۔ ایسی خوشبو کی لذت مجھے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ اس دنیا کی خوشبو ہرگز نہیں تھی۔ میں نے کوٹھڑی کے اندر جھانکا تو وہاں ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں اس روشنی کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا یہ عجیب طرح کی روشنی تھی۔ غازی علم دین کے چہرے پر اس قدر نور تھا کہ میں ان کے حسن و جمال کی تاب نہ لا سکا اور صاحب جی! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس غیبی نور کی کرنوں کے پیچھے چھپے ہوئے غازی کے چہرے کو میں دیکھ نہیں پایا تھا مجھے غازی کو پھانسی دیتے ہوئے بہت زیادہ خوف ہو رہا تھا لیکن میں اپنے بچوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پھانسی کا رسہ کھینچنے سے پہلے ہی غازی کی روح اللہ کے دربار میں پہنچ چکی تھی اور میں نے تو محض ایک بے جان اور بے روح جسم کو پھانسی دینے کی خانہ پوری کی تھی۔"

● سطور بالا میں جو روح پرور قصہ بیان کیا گیا ہے جناب شیخ محمد اقبال اس کے گواہ ہیں اور وہ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں کوئی قاری اس قصے کی تصدیق کرنا چاہے تو شیخ صاحب سے ان کے بیٹے ڈاکٹر اعجاز احمد شیخ کے گلبرگ لاہور میں واقع کلینک کے ایڈریس پر رابطہ قائم کرسکتا ہے۔

۱۲۸ اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ ۱۹۳۴ء میں کراچی میں پیش آیا۔ ان دنوں آریہ سماج حیدرآباد (سندھ) کے سیکرٹری نتھورام نے "ہسٹری آف اسلام" کے نام کی ایک کتاب شائع کی جس میں اس نے آقائے دو جہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سخت

Marfat.com

بے ادبی اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا تھا اور مسلمانوں میں اس کتاب کی اشاعت کے سبب بڑا اضطراب تھا۔

• ہزارے کا رہنے والا عبدالقیومؒ کراچی میں وکٹوریا گاڑی چلاتا تھا۔ جونا مارکیٹ کی کسی مسجد میں اس نے اس واقعہ کی تفصیل سنی اور یہ معلوم کر کے کہ ایک ہندو نے سرورِ کائنات کی بے ادبی کی ہے اس کے غم و اضطراب کی کوئی حد نہ رہی۔ ماہ ستمبر ۱۹۳۴ء میں جبکہ نتھو رام کی اپیل کراچی میں سنی جا رہی تھی۔ عدالت دو انگریز ججوں کی بنچ پر مشتمل تھی اور عدالت کا کمرہ وکیلوں اور شہریوں سے بھرا ہوا تھا۔ عبدالقیوم نہایت اطمینان کے ساتھ نتھو رام کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عین مقدمے کے درمیان وہ اپنا تیز دھار کا چاقو لے کر نتھو رام پر ٹوٹ پڑا اور اس کی گردن پر دو بھر پور وار کر کے اس کو جہنم واصل کیا۔ غازی عبدالقیوم نے پولیس کی گرفت سے بچنے اور فرار ہونے کی بالکل کوشش نہیں کی اور نہایت ہنسی اور خوشی کے ساتھ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

• انگریز جج نے ڈائس سے نیچے اتر کر اس سے پوچھا کہ تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا؟ غازی نے عدالت میں لٹکی ہوئی جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تصویر تمہارے بادشاہ کی ہے اور کیا تم اپنے بادشاہ کی توہین کرنے والے شخص کو موت کے گھاٹ نہیں اتارو گے۔ اس ہندو نے میرے آقا اور شہنشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے جس کو میری غیرت برداشت نہیں کر سکی ۔غازی عبدالقیوم پر مقدمہ چلا اور سیشن کورٹ نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ غازی نے حکم سن کر کہا جج صاحب میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا دی یہ ایک جان کس گنتی میں ہے اگر میرے پاس لاکھ جانیں بھی ہوتیں تو میں ناموس رسول پر قربان کر دیتا۔ اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی سید محمد اسلمؒ بارایٹ لا کو مقدمے کی پیروی کی سعادت حاصل ہوئی۔ لیکن اس مرد مجاہد نے پہلی ہی ملاقات میں اپنے قانونی مشیر پر واضح کر دیا کہ اس نے ماتحت عدالت میں جو اقبالی بیان دیا ہے اس کے خلاف کچھ کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہیں کرے گا۔ سید محمد اسلم نے مقدمے کی تیاری جاری رکھی۔ شہادتوں کے سلسلے میں علامہ اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا ظفر علی خانؒ اور

Marfat.com

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے ملک کے ممتاز علماء کو بطور گواہ طلب کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ اسلامی نقطہ نظر واضح کر سکیں۔ لیکن عدالت نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ مقدمہ صفائی کی ساری بنیاد اس نقطہ پر رکھی گئی تھی۔

''یہ ایک مسلمان کا ایمان وعقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ناموس رسول پر حملہ کرے تو وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔''

- سید محمد اسلمؒ نے ہائی کورٹ کے سامنے ۳ گھنٹے تک مدلل بحث کی اور کہا:

''جناب والا! مسلمان حکومت اور ہندو اکثریت کو یہ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے ہیں کہ ان کیلئے رسول اللہ کی محبت کیا حیثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں مسلمانوں کے جذبات کیا ہیں۔ مگر ان دونوں نے ذرا توجہ نہیں دی اب مجھے عدالت میں یہ واضح کرنے کا موقع مل رہا ہے کہ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے وہ ناموسِ رسالت کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور قوت کو ختم کر کے رہے گا۔ اس معاملے میں مسلمانوں کو تعزیرات ہند کی پروا ہے اور نہ پھانسی کے پھندے کی۔''

- لیکن عدالت عالیہ نے اپیل خارج کر دی اور غازی عبدالقیوم کے لئے سزائے موت بحال رہی۔ اس کے بعد کراچی کے مسلمان ایک وفد لے کر حکیم الامت علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ وائسرائے ہند سے ملیں تاکہ غازی عبدالقیوم کی سزائے موت عمر قید میں بدل جائے۔ علامہ اقبال تمام گفتگو سننے کے بعد گہری سوچ میں چلے گئے کیونکہ ایک عاشق رسولؐ کا معاملہ دوسرے عاشق رسول کے سامنے تھا۔ اس سکوت کو پھر علامہ اقبال کی آواز نے توڑا۔ کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے۔ ارکان وفد نے کہا: نہیں اس نے تو ہر عدالت میں اپنے اقدام کا اقبال اور اعتراف کیا ہے۔ اس نے نہ تو بیان تبدیل کیا اور نہ ہی لاگ لپیٹ اور ادھر ادھر کی کوئی بات کہی۔ وہ تو کھلے عام کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے۔ مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو۔ وفد کی اس گفتگو کو سن کر علامہ کا چہرہ تمتما اٹھا اور انہوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا۔

''جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر وثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں جو زندہ رہا تو غازی ہے اور مر گیا تو شہید۔''

- غازی عبدالقیومؒ کو جس دن پھانسی دی گئی۔ کراچی کی تاریخ میں وہ دن مسلمانوں کے جوش و اضطراب کا یادگار دن تھا۔ دلوں میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ کاش یہ شہادت ہمیں میسر ہوتی۔ لاہور میں غازی علم الدین شہید اور کراچی میں غازی عبدالقیوم شہید کے ان واقعات کا علامہ اقبال نے بہت اثر قبول کیا اور اپنے اس قلبی تاثر کو تین شعروں میں بیان فرما دیا یہ اشعار ''لاہور اور کراچی'' کے عنوان سے ضرب کلیم میں ہیں۔ (روزگارِ فقیر، ج دوم)

لاہور اور کراچی

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ۔ اے مرد مسلمان تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الھا اخر''
(اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو مدد اور عبادت کے لئے مت پکارو)

۱۲۹ حضرت ام ایمنؓ وہ واحد خاتون ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی ولادت مبارک سے وصال مبارک تک کا زمانہ دیکھا اور جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ پسند کرے کہ وہ کسی جنتی خاتون سے شادی کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ام ایمن کو اپنی بیوی بنائے۔ جب آپ کا دنیا میں ظہور ہوا تھا تو اس وقت ام ایمن نوخیز اور نوجوان

Marfat.com

تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد حضرت عبداللہ مرحوم سے میراث کے طور پر حاصل ہوئی تھیں۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی ولادتِ مبارک کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھیں۔ آپ کا دیدار حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں آپ کی بے پایاں محبت کے جذبات پیدا کر دیئے اور آپ سے اس قدر محبت ہو گئی کہ آپ اِن کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئے اور آپ کے پرنور روئے مبارک اور وجود مبارک نے ان کو مایوسی اور نا امیدی کی دلدلوں سے نکال دیا اور اپنی غلامی کی تکلیف کو بھول گئیں اور آپ پر بصد دل و جان فریفتہ ہو گئیں۔ آپ کا وجود مبارک ان کے لئے لازوال خوشیوں اور مسرتوں کا مرکز بن گیا اور آپ کی محبت پا کر انہوں نے اپنی غلامی کا نعم البدل حاصل کر لیا۔ جب آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ننھیال سے ملاقات کرانے کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں تو یہ ام ایمن بھی آپ کے ساتھ تھیں جب حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ اپنی امانت ادا کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت کاملہ پوری ہوئی کہ نبی کریم اپنی تربیت میں پدر و مادر کے بار منت سے سبکدوش رہیں اور یہ کم سن بچہ جو اپنے ماں اور باپ دونوں سے محروم ہو گیا تھا اب صرف اپنی اس آیا کی پرورش میں رہ گیا اور اس نے اپنی تمام محبت اور خدمت آپ کے لئے وقف کر دی۔ چنانچہ انہیں لے کر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ ان کے جدامجد کے پاس پہنچی۔ اس وقت یہی آیا آپ کی والدہ کے مقام پر رہی اور بچپن سے لے کر جوانی تک آپ کی خدمت اور خبر گیری کی اور اپنی زندگی آپ کے لئے ہی وقف کر دی۔ جب آپ جوان ہوئے اور حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کو اپنا شریک زندگی بنایا تو اس وقت آپ نے اُن کو آزاد کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انعام و اکرام سے نوازا تو آپ نے اپنی پرورش کرنے والی آیا کو فراموش نہیں کیا بلکہ آپ اپنے صحابہ کرام کے سامنے ان کے بارے میں اکثر یہ الفاظ دہراتے تھے۔

''وہ ہمارے خاندان کی یادگار ہیں۔''

• جب ام ایمنؓ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو آپ روزے سے تھیں۔ گرمی کی وجہ سے ان کی حالت نازک ہوگئی۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسینؒ اپنی کتاب نقوش سیرت میں لکھتے ہیں کہ اچانک آسمان سے نہایت سفید رسی نازل ہوئی اور اس کے ساتھ پانی سے بھرا ڈول لٹکا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گئیں کہ یہ شیریں پانی وہ آب حیات ہے جو وہ آگے چل کر اپنی جنت کے گھر میں نوش جاں کریں گی اور انہیں یہ یقین تھا کہ وہ اس پانی کو پی کر آئندہ کبھی پیاسی نہیں رہیں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ جو یہ پسند کرے کہ وہ کسی جنتی خاتون سے شادی کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ام ایمن کو اپنی بیوی بنائے۔ ان کے فرزند ایمن کو جنگ حنین میں شہادت کا مرتبہ ملا تو خدا تعالیٰ نے حضرت ام ایمنؓ کو ایک نعم البدل اور سچا جانشین حضرت اسامہؓ بن زید کی صورت میں عطا فرمایا۔ حضرت اسامہ بن زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت لاڈلے تھے۔ آپ نے آخری زمانے میں ان کو مسلمانوں کا سپہ سالار بنایا تھا۔ حضرت ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وفات پائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی اپنی خلافت کے ایام میں حضرت ام ایمنؓ کی زیارت کو ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت اسامہ بن زیدؓ کے آزاد کردہ غلام ابن الفرات کا حسن بن اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ جھگڑا ہوگیا اور ابن الفرات نے اثنائے کلام میں یہ کہا کہ اے برکہ کے فرزند! (برکہ سے مراد ام ایمن تھی) تو حسن بن اسامہؓ نے ابن الفرات پر مقدمہ کر دیا جب قاضی نے پورا واقعہ سنا تو ابن الفرات سے پوچھا کہ ابن برکہ کہنے سے تمہارا کیا منشا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ام ایمن کا صرف اصلی نام لیا تھا۔ قاضی نے فرمایا نہیں تمہارا مقصد توہین کرنا تھا۔ حالانکہ دور اسلام میں انہوں نے زبردست خدمات انجام دیں اور خود نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں اماں اور ام ایمن کے نام سے پکارتے تھے۔ لہٰذا اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو اللہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر اسے ۷۰ کوڑوں کی سزا دی۔ (نقوشِ سیرت، حصہ اول، ڈاکٹر طٰہٰ حسین)

۱۳۰ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جو کہ آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار عاشقوں میں سے ہیں، ان کا نام صف اول میں آتا ہے اور مسجد نبوی میں بطور

مؤذن ہونے کی بناء پر ان کو بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ اسلام لانے سے پہلے وہ امیہ بن خلف کے زرخرید غلام تھے لیکن حضرت بلال کے اسلام لانے کے بعد وہ ان سے بہت خفا تھا وہ ظالم آقا دوپہر کی جسم کو کاٹتی ہوئی شدید دھوپ میں پتھریلی چٹان پر لٹا دیتا اور ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ کر کہتا تو اسی طرح پتھر سے دبا پڑا رہے گا حتیٰ کہ تجھے موت آ جائے یا دین اسلام کو چھوڑ کر لات وعزیٰ کی پوجا کرنے لگے۔ لیکن حضرت بلال کا جواب اس اذیت کی حالت میں صرف ایک ہوتا تھا۔ اَحد اَحد یعنی کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے۔ جب ایمان لانے کی پاداش میں ان کو شدید دھوپ سے تپتی ہوئی چٹانوں پر رسیوں اور زنجیروں سے باندھ کر گھسیٹا جاتا اور ظلم کی انتہا ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سیدنا صدیق اکبرؓ حضرت بلال کے آقا کے پاس پہنچے اور مختلف روایت کے مطابق پانچ یا سات اوقیہ سونے میں خرید کر آزاد کیا۔ حضرت بلال کے آقا نے طنزیہ طور پر کہا کہ اگر تم بلال کو ایک اوقیہ سونے میں خریدتے تو میں تمہارے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ سیدنا صدیقؓ نے جواب دیا کہ گر تم بلال کے لئے سو اوقیہ سونا بھی طلب کرتے تو میں ادا کرتا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کہا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اس لئے کہ انہوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کرایا ۔حضرت بلالؓ کی موجودگی میں اذان دینے کی اجازت کسی دوسرے شخص کو نہ تھی۔ جب مسجد نبوی میں سب نمازی جمع ہو جاتے تو لوگوں کی نظریں اس افریقی مؤذن کی طرف اٹھتی رہتی تھیں جو کہ پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت بلال کی دیانت، امانت اور راستی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مال پر ان کو امین مقرر کیا اور اپنے طعام و قیام اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی حضرت بلالؓ کے سپرد کیا۔ جب آپ نے مسجد نبوی میں پہلی اذان کہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''بلال تم نے میری مسجد مکمل کر دی۔''

● علامہ اقبال ہمیشہ سے انقلاب آفریں اور مثالی افراد اور شخصیات کا تصور رکھتے تھے۔ وہ بچپن سے ہی حضرت بلالؓ کی شخصیت کے سحر میں گرفتار تھے مگر ان کے تاثر کا عوامی اظہار ۱۹۰۴ء میں ہوا، جب انہوں نے مخزن میں حضرتِ بلالؓ کے عنوان سے نظم لکھی تو

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اردو میں حضرت بلالؓ پر نظم لکھنے کی اولیت کا شرف علامہ اقبال ہی کو حاصل ہے۔ دوسرا اردو شاعر جس نے حضرت بلالؓ کے حوالے سے نظم لکھی وہ مولانا شبلی تھے۔ حضرت بلالؓ کے متعلق جو نظم علامہ اقبال نے پہلے دور میں لکھی ہے اس میں عشقِ رسول کے اُس گہرے جذبے کی جھلک ہے۔ اقبالؒ کے ہاں عشق کا نقطۂ کمال یہی ہے کہ یہ تکمیل ذات کا باعث بنتا ہے اور اس سے دوام حاصل ہوتا ہے۔

عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اِس پر حرام

اور عشق کی انتہا جناب رسالت مآبؐ کا عشق ہے اور حضرت بلالؓ اس سے بدرجہ اتم بہرہ ور ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

چمک اُٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اُٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چُھٹا تجھ سے ایک دم کے لئے
کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لئے
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا!
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا!

Marfat.com

- علامہ اقبال پر جب رسولِ اکرم کی محبت غالب آتی تھی تو عشقِ رسول ﷺ کی اس کیفیت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نسبت موجود ہوتی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے لئے عازم انگلستان ہوئے۔ بحری سفر کے دوران جہاز سے مولوی انشا اللہ خان ایڈیٹر ''اخبارِ وطن'' لاہور کے نام ۱۲؍ستمبر ۱۹۰۵ء کو عدن سے ایک طویل خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

> ''......اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحلِ عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے، اس کی داستان کیا عرض کروں بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں...... اے عرب کی مقدس سرزمین! ...... کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو! کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروا نہ کرتا ہوا، اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذان بلال رضی اللہ عنہ کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔''

- فتح مکہ کے دن تین بزرگوں کو امام الانبیاء فخر موجودات سرور کونین سید البشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا تو ان میں حضرت بلال بھی شامل تھے۔ آپ کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بابِ ملتزم کے ساتھ لٹکے ہوئے رسوں کی مدد سے کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ گئے۔ نیچے جم غفیر تھا۔ دور دور تک لوگ ہی لوگ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کعبہ میں اپنے صحابہ کے ساتھ مشغول تھے۔ دورانِ طواف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہوتے حضرت بلال رضی اللہ عنہ دورانِ اذان ادھر رخ پھیر لیتے تھے۔ شہادت رسالت دیتے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کی طرف انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی

Marfat.com

رفاقت و معیت حضور کی دنیاوی زندگی کے آخری لمحات تک رہی اور یہ حضرت بلالؓ ہی تھے جو آخری وقت میں بھی اپنے زخمی اور درد بھرے دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ ہاتھ میں مشکیزہ لئے آپ کی مقدس لحد اور اس کے چاروں طرف گھوم کر پانی چھڑکتے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد حضرت بلالؓ ملک شام چلے گئے شاید کہ آپ کی جدائی ان کے لئے برداشت سے باہر تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں مدینہ منورہ تشریف لائے اس لئے کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یاد فرمایا تھا۔ جب آپ مدینہ منورہ میں تھے تو حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے آپ کو اذان دینے کے لئے مجبور کیا اور حضرت عمرؓ نے بھی سفارش کی۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو مدینہ شریف میں لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے مسجد کی طرف بھاگے اس لئے کہ لوگوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک یاد آ گیا۔ یہ ان کی آخری اذان تھی۔ پہلی اذان بھی حضرت بلال کی مسجد نبوی سے شروع ہوئی اور اس کا اختتام بھی مسجد نبوی سے ہوا۔

- ایک روایت کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو ان کو جنت میں ایک طرف سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو محسن اعظم نے حضرت جبرائیل سے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو جواب آیا کہ یہ آپ کے مؤذن حضرت بلالؓ ہیں، سبحان اللہ!

- ایک اور روایت کے مطابق سرکارِ دوعالم نے فرمایا: بلالؓ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگا، صحابہ ؓ نے پوچھا یارسول اللہ کیا آپ سے بھی پہلے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھ سے بھی پہلے اس لئے کہ میں جس اونٹنی پر سوار ہوں گا اس کی مہار بلال ؓ نے تھام رکھی ہوگی اس طرح وہ مجھ سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوگا۔

- ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بلالؓ میرے قدموں سے اذان دیتا ہوا اٹھے گا حالانکہ حضرت بلالؓ دمشق میں مدفون ہیں۔

۱۳۱ ۱۹ر جولائی ۱۹۹۱ء کے نوائے وقت میگزین میں جناب تاج محمد صاحب نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ پاکستان بننے سے قبل میں ضلع گوجرانوالہ کے ایک تھانہ (بڑے

گاؤں) میں بطور تھانہ محرر تعینات تھا۔ گاؤں میں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ اس زمانہ میں مسجد کے امام کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ بلکہ ہر مسلم اور غیر مسلم بزرگ کا احترام کیا جاتا تھا۔ مسجد سے ملحقہ ایک ترکھان محمد دین نامی کا مکان تھا۔ آدمی شریف تھا لیکن مسجد میں کبھی بھی نماز پڑھنے نہیں آتا تھا۔ مولوی صاحب محمد دین سے بہت خفا رہتے تھے۔ جب بھی کبھی مولوی صاحب اور محمد دین کا آمنا سامنا ہو جاتا مولوی صاحب قدرے خفگی اور ملامتی انداز میں محمد دین کو مسجد میں نہ آنے کے متعلق سرزنش کرتے۔ محمد دین ہمیشہ ہی کھسیانا ہو کر یہ کہہ کر گزر جاتا کہ مولوی صاحب کل ضرور آؤں گا۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں مولوی صاحب نے غصہ اور جوش میں آکر نمازیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بھائیو! محمد دین ترکھان مسجد کا ہمسایہ ہوتے ہوئے بھی کبھی نماز پڑھنے مسجد میں نہیں آتا۔ کل کلاں کو اگر یہ فوت ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ کوئی نہ پڑھے۔ یہ بات گاؤں والوں نے اپنے پلے باندھ لی۔ وقت گزرتا گیا۔ کچھ عرصہ بعد محمد دین قضائے الٰہی سے وفات پا گیا۔ محمد دین کے گھر والے اور ترکھان برادری کے چند لوگ اکٹھے ہوئے اور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ مولوی صاحب اور گاؤں والوں کو تو نماز جنازہ میں شریک نہیں ہونا لہٰذا کسی دوسرے قریبی گاؤں سے مولوی صاحب کا بندوبست کیا جائے۔ ابھی وہ لوگ آپس میں مشورہ ہی کر رہے تھے کہ مسجد سے نوبت بجنے کی آواز سنائی دی۔ ان دنوں لاؤڈ اسپیکر نہیں ہوتے تھے اعلان کے لئے نوبت بجائی جاتی تھی یا ڈھول بجا کر اعلان کیا جاتا تھا۔ لوگ نوبت کی آواز سن کر مسجد کی طرف گئے اور مولوی صاحب سے اعلان سننے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ مولوی صاحب نے اعلان کیا کہ گاؤں والو! ہمارا ایک نیک ہمسایہ محمد دین ترکھان فوت ہو گیا ہے اس کی نماز جنازہ میں ضرور شریک ہونا ہے۔ اس غیر متوقع اعلان پر تمام لوگ بہت حیران ہوئے کیونکہ کچھ عرصہ پیشتر مولوی صاحب نے خود ہی گاؤں والوں کو منع کر دیا تھا کہ اگر محمد دین فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی۔ کچھ بڑے عمر رسیدہ بزرگوں نے مولوی صاحب سے ان کے فیصلہ میں تبدیلی کی وجہ پوچھی تو مولوی صاحب نے حلفاً بیان دیا کہ بھائیو اور بزرگو! میں مسجد کے حجرہ میں لیٹا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا

Marfat.com

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ گنہگار کو حکم دیا کہ میں فوراً اٹھ کر محمد دین ترکھان کے لئے تجہیز و تکفین کا بندوبست کروں اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھاؤں۔ میں نے خواب ہی میں حضور سے عرض کی کہ حضور محمد دین تو کبھی بھی مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ عرصہ قبل ایک دن سخت آندھی اور بارش آئی تھی اور محمد دین اپنے گھر کی چھت کے مگوں (گاؤں میں چھتوں پر بڑے بڑے سوراخ رکھے ہوتے تھے جو ہوا اور روشنی کا کام دیتے تھے۔ جب کبھی آندھی یا بارش آتی تھی تو لوگ انہیں مٹی کے کونڈوں یا کنالیوں سے ڈھانپ دیا کرتے تھے) کو ڈھانپنے لگا تو اسے مسجد کے مگوں کا بھی خیال آ گیا اور اس نے فوری طور پر سب سے پہلے مسجد کے مگوں کو ڈھانپ دیا تاکہ بارش سے مسجد کی صفیں اور مصلے نہ بھیگ جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ غفور الرحیم کو محمد دین کی یہ معمولی نیکی بہت پسند آئی اور اللہ پاک نے محمد دین کے سب گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا بھائیو! یہی وجہ ہے کہ میں نے فوری طور پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی فوری تعمیل کرتے ہوئے اعلان کر دیا ہے۔ سچ ہے انسان کی معمولی سے معمولی نیکی بھی رائیگاں نہیں جاتی۔

۱۳۲ قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں "ایک روز ایک اسکول کا استاد رحمت الٰہی آیا وہ ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے والا تھا۔ اس کی تین جوان بیٹیاں تھیں۔ اپنا گھر بھی نہیں تھا۔ اسے فکر لگی ہوئی تھی کہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد کہاں جائے گا۔ لڑکیوں کی شادی کیسے ہو گی۔ کیونکہ پنشن بہت معمولی تھی۔ اس نے بتایا کہ پریشانی کے عالم میں وہ کئی ماہ سے نماز تہجد کے بعد رو رو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا رہا اور چند روز قبل اسے خواب میں جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے فرمایا کہ تم جھنگ جا کر ڈپٹی کمشنر قدرت اللہ شہاب کو اپنی مشکل بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں گے۔

شہاب لکھتے ہیں کہ پہلے تو مجھے شک ہوا کہ یہ شخص شاید مجھے جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میرے چہرے پر شک اور تذبذب کے آثار دیکھ کر رحمت الٰہی آبدیدہ ہو گیا اور بولا۔ جناب میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اگر جھوٹ بولتا تو اللہ کے نام پر

Marfat.com

بولتا۔ حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں۔ اس کی اس منطق پر میں نے حیرانی کا اظہار کیا تو اس نے فوراً کہا آپ نے سنا نہیں کہ ''با خدا دیوانہ و با مصطفیٰ ہوشیار باش'' یہ سن کر شہاب لکھتے ہیں کہ میرا شک پوری طرح رفع تو نہ ہوا لیکن سوچا کہ اگر یہ شخص غلط بیانی سے بھی کام لے رہا ہے تو ایسی عظیم ہستی کے اسم مبارک کا سہارا لے رہا ہے جس کی لاج رکھنا ہم سب کا فرض ہے۔ چنانچہ میں نے خفیہ طور پر اس کے ذاتی حالات کی تحقیق کروائی تو تصدیق ہوگئی کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ چنانچہ میں نے آٹھ مربع زمین جسے جلد از جلد کاشت میں لایا جا سکے رحمت الٰہی کے نام الاٹ کر دی۔ تقریباً 10 سال بعد جب میں صدر ایوب کے ساتھ کراچی میں کام کر رہا تھا تو ایوان صدر میں میرے نام ایک خط آیا جو کہ ماسٹر رحمت الٰہی کی جانب سے تھا۔ لکھا تھا کہ زمین پر محنت کر کے تینوں بیٹیوں کی شادی کر دی ہے۔ اپنی بیوی کے ساتھ حج کا فریضہ بھی ادا کر دیا ہے۔ اپنے گزارے اور رہائش کے لئے تھوڑی سی زمین خریدنے کے علاوہ ایک کچا کوٹھا بھی تعمیر کر لیا ہے۔ اب اسے ان آٹھ مربعوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اس الاٹمنٹ کے مکمل کاغذات اس خط کے ساتھ واپس بھیج رہا ہوں۔

شہاب کہتے ہیں کہ میں یہ خط پڑھ کر سکتے میں آ گیا اور اسی طرح گم سم بیٹھا تھا کہ صدر ایوب میرے کمرے میں آ گئے۔ کس سوچ میں گم ہو؟ انہوں نے پوچھا۔ میں نے انہیں رحمت الٰہی کا پورا واقعہ سنا دیا۔ وہ بھی بہت حیران ہوئے۔ سچ تو یہ ہے کہ رحمت الٰہی جیسے ہی تو لوگ ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔

۱۳۳ ایک دوسری جگہ قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں کہ ایک بار میں کسی دور دراز علاقے میں گیا ہوا تھا۔ وہاں پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بہت پرانی مسجد تھی میں جمعہ کی نماز پڑھنے اس مسجد میں گیا تو ایک نیم خواندہ سے مولوی صاحب نے اردو میں خطبہ دیا اور ایک داستان کچھ ایسے انداز سے سنائی کہ تھوڑی سی رقت طاری کر کے وہ سیدھی میرے دل میں اُتر گئی۔ یہ قصہ ایک باپ اور بیٹی کی باہمی محبت و احترام کا تھا۔ باپ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور بیٹی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ مولوی صاحب بتا رہے

Marfat.com

تھے کہ بڑے بڑے برگزیدہ صحابہ کرامؓ بی بی فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر منت کرتے تھے کہ وہ ان کی درخواست حضور کی خدمت میں لے جائیں اور اسے منظور کروا لائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک میں بیٹی کا اتنا پیار و احترام تھا کہ اکثر اوقات جب بی بی فاطمہ ایسی کوئی درخواست یا فرمائش لے کر حاضر خدمت ہوتی تھیں تو حضور خوش دلی سے اسے منظور فرما لیتے تھے۔ اس کہانی کو قبول کرنے کیلئے میرا دل بے اختیار آمادہ ہو گیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد میں اس مسجد میں بیٹھ کر نوافل پڑھتا رہا۔ کچھ نفل میں نے بی بی فاطمہ کے ایصال ثواب کی نیت سے پڑھے پھر میں نے پوری یکسوئی سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی۔

"یا اللہ میں نہیں جانتا کہ یہ داستان صحیح ہے یا غلط لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تیرے آخری رسول کے دل میں اپنی بیٹی خاتون جنت کے لئے اس سے بھی زیادہ محبت اور عزت کا جذبہ موجزن ہوگا۔ اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت بی بی فاطمہؓ کی روح طیبہ کو اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ میری ایک درخواست اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر کے منظور کروا لیں۔ درخواست یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ کا متلاشی ہوں۔ سیدھے سادھے مروجہ راستوں پر چلنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر سلسلہ اویسیہ واقعی افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے تو اللہ کی اجازت سے مجھے اس سلسلہ سے استفادہ کرنے کی ترکیب اور توفیق عطا فرمائی جائے۔"

اس بات کا میں نے اپنے گھر میں یا باہر کسی سے ذکر تک نہ کیا۔ چھ سات ہفتے گزر گئے اور میں اس واقعہ کو بھول گیا۔ پھر اچانک سات سمندر پار کی میری ایک جرمن بھابھی کا ایک عجیب خط موصول ہوا وہ مشرف با اسلام ہو چکی تھیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کی پابندِ صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں انہوں نے لکھا۔

"اگلی رات میں نے خوش قسمتی سے فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا انہوں نے میرے ساتھ نہایت تواضع اور شفقت

Marfat.com

سے باتیں کیں اور فرمایا کہ اپنے دیور قدرت اللہ شہاب کو بتا دو کہ میں
نے اس کی درخواست اپنے برگزیدہ والد گرامی کی خدمت میں پیش کر
دی تھی۔ انہوں نے ازراہ نوازش اسے منظور فرما لیا ہے۔''

۱۳۴ سلطان نور الدین زنگیؒ ایک عابد شب بیدار بادشاہ تھا اور رات کا بیشتر حصہ عبادت اور مناجات میں گزارتا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سینکڑوں مرتبہ درود شریف پڑھ کر تھوڑی دیر کیلئے بستر پر لیٹتے اورٗ چند ساعتوں کے بعد پھر نماز تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ ۱۱۶۲ء بمطابق ۵۵۷ھ میں جب سلطان کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ اسے ایک عظیم سعادت نصیب ہوئی۔ سلطان کو تین مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور ہر مرتبہ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا نور الدین ان دو آدمیوں کے شر کا استحصال کرو۔ نور الدین خواب دیکھ کر سخت پریشان ہوا اور بار بار استغفار پڑھتا اور رو رو کر کہتا میرے آقا اور میرے مولا کو میرے جیتے جی کوئی ستائے یہ نہیں ہوسکتا میری جان و مال آل و اولاد سب آقائے مدنی پر نثار ہے۔ خدا اس دن کیلئے نور الدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھے۔ خواب سے بیدار ہو کر اس نے بیس اعیان سلطنت کو ساتھ لیا اور بہت سا خرچہ گھوڑوں پر لاد کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازم سفر ہونے سے بہت حیران ہوئے۔ لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اصل بات کیا ہے۔ دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس یا پچیس دن لگتے ہیں۔ لیکن سلطان نے یہ سفر سولہ دن میں طے کیا اور مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اہل مدینہ بھی سلطان کی اچانک آمد پر حیران ہو گئے۔ سلطان نے آتے ہی شہر میں آنے جانے کے راستے بند کروا دیئے اور منادی کروا دی کہ آج تمام اہل مدینہ اس کیساتھ کھانا کھائیں۔ اس طرح مدینہ منورہ کے تمام لوگ سلطان کی نظر سے گزر گئے لیکن ان میں وہ دو آدمی نہیں تھے جن کی شکل خواب میں دکھائی گئی تھی۔ سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا کہ کوئی شخص تو باقی نہیں رہا جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہو سکا ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ صرف دو خدا رسیدہ اور مغربی زائرین جو مدت سے یہاں مقیم

Marfat.com

ہیں نہیں آئے۔ کیونکہ یہ دونوں بزرگ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور اگر کچھ وقت ملتا ہے تو جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں اس کے علاوہ وہ کسی سے نہیں ملتے۔

سلطان کے حکم پر جب دونوں کو حاضر کیا گیا تو سلطان نے ایک ہی نظر میں دونوں کو پہچان لیا کہ یہ وہی آدمی ہیں جو اُسے خواب میں دکھائے گئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اٹھا۔ سلطان نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ روضۂ اقدس کے قریب ایک مکان کرائے پر لے رکھا ہے اور اسی میں ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

سلطان نے ان دونوں کو اسی جگہ اپنے آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اکابرینِ شہر کے ہمراہ ان کی جائے رہائش پر پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں نہایت مختصر سا سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا۔ بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا، اس نے مکان کے فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا کہ یکا یک سلطان کو ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ چٹائی کو ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سل تھی۔ جب اس کو سرکایا گیا تو ایک خوفناک انکشاف ہوا۔ یہ ایک سرنگ تھی جو کہ روضۂ اقدس کی طرف جاتی تھی۔ سلطان سارا معاملہ سمجھ گیا۔ اس نے فوراً ان دونوں ملعونوں کو پابہ زنجیر کر کے اپنے سامنے لانے کا حکم دیا۔

جب وہ سلطان کے سامنے پیش ہوئے تو ان سے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور اس ناپاک حرکت سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ دونوں ملعونوں نے جواب دیا کہ اے بادشاہ ہم نصرانی ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے تمہارے پیغمبر کا جسم (مبارک) چرانے پر مأمور ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی کارثواب نہیں ہے لیکن افسوس جب ہمارا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا کہ تم نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ دونوں یہودی تھے اور یہ کہ سرنگ حضرت عمر فاروقؓ کے جسد مبارک تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ ان کا ایک پاؤں مبارک بھی ننگا ہو گیا تھا۔

سلطان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے تلوار کھینچ کر دونوں بدبختوں کی گردنیں

Marfat.com

اڑا دیں اور لاشوں کو بڑھکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ یہ کام انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہوئی اور وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومتا تھا اور کہتا تھا کہ زہے نصیب کہ اس خدمت کے لئے حضور نے اس غلام کا انتخاب فرمایا۔ جب ذرا قرار آیا تو سلطان کے حکم سے روضۂ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ اس سے پانی نکل آیا اور اس کے بعد اس میں سیسہ بھر دیا گیا تاکہ زمانے کی دسترس سے ہر طرح محفوظ رہے یہ سیسے کی دیوار روضہ اقدس کے اردگرد آج بھی موجود ہے۔

آج بھی اہلِ مدینہ سلطان نورالدین زنگی کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیتے ہیں اور ان کا شمار ان نفوس قدسیہ میں کرتے ہیں جن پر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کے محب رسول ہونے کی تصدیق فرمائی۔

۱۳۵ اس واقعہ سے پہلے اسی طرح کا ارادہ مصر کے فاطمی خلیفہ حاکم بامراللہ نے بھی کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے مبارک جسدوں کو مدینہ سے مصر میں منتقل کرا لے تاکہ اس کا پایہ تخت مقبول انام اور زیارت گاہ خاص و عام بن جائے۔ اس کام کے لئے اس نے ایک درباری ابوالفتح کو مدینہ میں بھیجا۔ اہل مدینہ مضطرو بے قرار ہو کر اس کے پاس جمع ہوئے اور اس کو اس سے باز رکھنے کی منت سماجت کی لیکن شاہی حکم تھا وہ اس پر مصر رہا۔ اس مجمع میں ایک قاری زلبائی نامی تھا اس نے قرآن کی یہ آیت سنائی۔

> ''تم ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ پہلے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ پس اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔''

اس کے سننے سے مجمع میں اس قدر جوش پیدا ہو گیا کہ اگر وہ مصری حکومت کے ماتحت نہ ہوتے تو یقیناً ابوالفتح کو مار ڈالتے۔ اس سے اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ وہ کس قدر سخت مہم پر بھیجا گیا ہے۔ کیونکہ جب ابھی سے یہ حالت ہے تو جب قبر کھدنی شروع ہوگی، اس وقت کیا عالم ہوگا، اس لئے ڈر گیا۔ اسی روز شام کے وقت ایک نہایت خطرناک آندھی آئی

Marfat.com

جس کو لوگوں نے اس ناپاک ارادہ کی نحوست قرار دیا۔ ابوالفتح ان سب باتوں سے مرعوب ہو کر واپس چلا گیا اور حاکم بامراللہ کو اس فعل کے انجام سے ڈرایا۔

۱۳۶ اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ شیخ شمس الدین صواب رئیس خدام حرم نبوی بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک مخلص دوست جن کے امیر مدینہ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور میں انہی کی وساطت سے امیر مدینہ منورہ سے کام کرایا کرتا تھا۔ ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کچھ لوگ امیر مدینہ کے پاس آئے تھے اور ان لوگوں نے نہایت قیمتی سامان اور تحائف امیر کو رشوت دے کر اس کو اس بات پر راضی کر لیا کہ جسم مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ یہاں سے نکال کر کہیں اور لے جائیں۔ شیخ موصوف کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے اور میں اسی فکر میں تھا کہ امیر کا قاصد بلانے آ گیا۔ امیر نے کہا کہ آج رات کو کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے ان کے لئے دروازہ کھول دینا اور ان کے کام میں مداخلت نہ کرنا۔ بہت اچھا جناب کہہ کر میں واپس آ گیا مگر سارا دن حجرہ مقدسہ کے پاس بیٹھے روتے گزر گیا۔

عشاء کی نماز کے بعد میں نے دروازے بند کر دیئے کچھ دیر بعد باب السلام (جو کہ امیر مدینہ کے گھر کے قریب تھا) کی طرف سے وہ لوگ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے حسب الحکم دروازہ کھول دیا اور وہ اندر آنا شروع ہوئے۔ ان کی تعداد چالیس تھی۔ وہ لوگ پھاوڑے، کدال اور ٹوکریاں اور شمع وغیرہ ساتھ لائے تھے۔ وہ لوگ مسجد شریف میں داخل ہو کر حجرہ مقدسہ کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ لیکن قربان جائیں رب ذوالجلال کی قدرت پر کہ جس نے اپنے محبوب و مقبول بندوں کی حفاظت کا ایسا غیبی انتظام کیا ہے کہ جس کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ وہ ابھی ممبر شریف تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ ساز و سامان کے ساتھ زمین میں دھنس گئے۔ یہ واقعہ سیدنا حضرت عثمان کی توسیع کے پہلے مغربی ستون کی جگہ کے قریب پیش آیا تھا، جس کے نشان ابھی تک محفوظ ہیں۔

۱۳۷ اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لانے والوں کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو دل کفار کے وحشیانہ سلوک پر تڑپ اٹھے گا، جوان مظلوم مردوں اور عورتوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ ایک

Marfat.com

بے قصور عورت حضرت سمیہؓ کا جسم برچھیاں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ عبرت کے لئے حضرت یاسرؓ کی ٹانگیں دو اونٹوں سے باندھ کر انہیں مخالف سمتوں میں ہانک دیا گیا اور اُن کے بیٹے حضرت عمارؓ کو خوفناک اذیتیں پہنچائی گئیں۔ حضرت خباب بن ارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا اور بے رحم اذیت رساں ان کے سینے پر کھڑا ہو گیا کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکیں جس کے نتیجے میں ان کے جسم کی چربی پگھل کر باہر نکل آئی اور دہکتے ہوئے انگاروں کو ٹھنڈا کر دیا۔

- جب حضرت خبیبؓ گرفتار کئے گئے تو ابو سفیان نے حضرت خبیبؓ سے کہا: کیا تمہیں یہ بات پسند آئے گی کہ (تمہارے بدلے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ہوتے ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے اہل وعیال میں رہتے۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ واللہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں رہوں اور (اس کے بدلے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں آپ ہیں وہیں رہتے ہوئے، کانٹا چبھ جائے، اور وہ آپ کو تکلیف دے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت خبیبؓ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قتل کے موقع پر دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ شروع کیا۔ انہیں قید میں دیکھا گیا کہ وہ انگور کے گچھے کھا رہے تھے حالانکہ ان دنوں مکے میں انگور تو انگور کھجور بھی نہیں ملتی تھی۔ (روحِ اسلام، سید امیر علی)
- ہمارے پیارے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں نے پتھر پھینکے آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے اور آپ کے مکان کے اندر کوڑا کرکٹ پھینکا بلکہ ایک مشرک عورت جو کہ روزانہ ایسی حرکتیں کرتی تھی جب چند روز ایسا نہیں ہوا تو آنحضرت ﷺ اس کے گھر اس کی عیادت کیلئے پہنچ گئے کہ وہ ضرور بیمار ہو گی۔ ایسی بے مثال رحمت کا کیا کہنا۔
- ایک صحابیہؓ کا بیٹا، بھائی اور شوہر سب غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس وقت دشمنوں نے حضور کی ذات گرامی کی شہادت کے متعلق افواہ پھیلا دی تھی۔ حضرت ہندؓ مدینہ شریف سے نکل کر احد کی طرف روانہ ہوئیں تو لوگ انہیں ان کے بھائی، بیٹے اور شوہر کی خبر سناتے تو وہ سب کے جواب میں صرف یہ پوچھتیں کہ بتاؤ رسول اللہ کیسے ہیں اور جب اُن کو آپ کی زیارت ہوئی تو کہنے لگیں۔

Marfat.com

''ہر قسم کی مصیبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ہیچ ہے۔''

یہ بہادر خاتون تینوں لاشوں کو اونٹ پر لاد کر مدینہ طیبہ لے گئیں اور پھر گنجِ شہیداں میں شامل کرنے کے لئے احد میں لائیں۔

- ایک سیاہ فام صحابیہؓ مسجد نبوی شریف میں جھاڑو دینے کی خدمت انجام دیا کرتی تھیں۔ یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ اس کی وجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بے حد قدر فرماتے تھے۔ چنانچہ جب اُن صحابیہؓ کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام نے اُن کو راتوں رات دفن کر دیا اور اس کی اطلاع نبی کریم کو نہ دی۔ آپ نے جب انہیں مسجد کی خدمت سے غیر حاضر پایا تو صحابہ کرام سے دریافت کیا۔ بتایا گیا کہ وہ انتقال کر گئی ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ صحابہ نے عرض کیا آپ اس وقت استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتائی جائے۔ چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

- اس طرح کے بہت دل گداز واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ یہ سب واقعات کیا ظاہر کرتے ہیں۔ آخر کیوں ان بیٹوں اور بیٹیوں نے خود کو ہمہ تن حضور سے وابستہ کر دیا تھا بلکہ اپنے جسم و جان و دل آپ پر نثار کر دیئے تھے۔ کیا یہ آپ کے قریبی پیرو کاروں کا بے پناہ جذبۂ عقیدت و ایقان نہ تھا۔ کیا یہ واقعات آپ کے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مشن کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سپردگی ظاہر نہیں کرتے۔

۱۳۸ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔ جب قریش اور عرب کے سردار آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کے قتل کی سازش کرنے لگے تو آپ کو مکہ مکرمہ کو خیر باد کہنا پڑا اور جب آپ مکہ مکرمہ سے جا رہے تھے تو آپ نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ اے علی! تم یہیں رہ جاؤ۔ یہ لوگ جو میرے قتل کے درپے ہیں ان کی امانتیں میرے پاس ہیں تم ان میں سے ایک ایک کی امانت واپس کر کے پھر مدینہ شریف آنا اور جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو آپ کی راہ میں کانٹے بچھانے والے، اوجھڑیاں پھینکنے والے اور آپ کے قتل کی سازش کرنے والے سب سر جھکائے کھڑے تھے۔

آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم سب کو معاف کیا۔ آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ آج بات ختم ہوگئی اور میں نے سب کو معاف کیا۔ خیبر میں آپ نے زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا۔ اپنے چچا کے قاتل کو معاف کیا۔ حضرت امیر حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی کرنے اور جگر چبانے والی ہند کو معاف کیا۔ آپ نے یلغیم کی وادی میں قریش کے اس دستے کو معاف کیا جو آپ کے قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ آپ نے نجد کے ایک نخلستان میں جبکہ آپ محوخواب تھے اپنے ایک تیغ بکف حملہ آور کو قابو میں لے کر معاف کیا۔ آپ نے طائف والوں کیلئے دعائے خیر کی جن لوگوں نے آپ پر پتھروں کی بارش کی۔ جس سے آپ کے پاؤں مبارک خون آلود ہو گئے تھے۔ آپ نے اُحد اور اس کے میدان میں اپنے چہرۂ مبارک کے زخمی کرنے والوں کے حق میں دعائے خیر کی یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ آپ کو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

۱۳۹ جس ذات گرامی کی سیرتِ طیبہ کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کی عظمتِ سیرت و رفعتِ کردار کی شہادتیں آپ اپنوں سے نہیں بلکہ غیروں کی زبان سے سن لیں اور ان شہادات سے زیادہ قابل اعتماد کون سی ہوسکتی ہیں جنہیں خود غیر پیش کریں۔ ان شہادات کی روشنی میں آپ تاریخ انسانیت پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا یہاں سے وہاں تک آپ کو کوئی اور شخصیت ایسی نظر آتی ہے جو بیک وقت ان تمام صلاحیتوں کی حامل، ان خوبیوں کی مظہر اور ان عظمتوں کی پیکر ہو جو اس ذات گرامیؐ میں جھلمل جھلمل کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ پھر یہ عظمتیں اور خوبیاں زندگی کے کسی ایک شعبہ میں جلوہ فرما نہیں، ہر گوشہ حیات کو ''دامان باغبان و کف گل فروش'' بنا رہی ہیں۔ ایک یکہ وتنہا، بے یار و مددگار داعی حق سے لے کر اتنی وسیع و عریض مملکت کی سربراہی تک، زندگی کی کون سی روش ہے جو آپ کے حسن سیرت سے آئینہ پوش و ضیابار نہیں۔ ہم بر بنائے عقیدت ایسا نہیں سمجھتے، تاریخی نوشتے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ

حسن یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت یوسفؑ کا حسن، حضرت عیسیٰؑ کا اعجاز اور حضرت موسیٰؑ کا دست معجزہ نما جو خوبیاں تمام انبیاء مجموعی طور پر رکھتے ہیں آپ تنہا رکھتے ہیں۔

Marfat.com

- مشرق اور مغرب کے بڑے بڑے محقق اصحاب فراست و لیاقت نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں سب سے اونچا اور بلند ہے۔ ان مفکرین نے اپنی اپنی تحریروں میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اعتراف حقیقت کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ بے شک بزرگی اور فضیلت وہی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے۔
- نقوش کے رسول نمبر کی جلد ۳ میں جناب ماہر القادریؒ اپنے مضمون ''محمد عبدہ ورسولہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''اب سے کوئی چالیس برس پہلے کی بات ہے شہر مدراس میں سیرت النبی ﷺ کے ایک بڑے اجتماع میں ایک اونچے درجہ کے ہندو لیڈر اور دانشور نے تقریر کرتے ہوئے کہا'' ہماری پوری قوم برس ہا برس سے مورتی کھنڈت کی پرستش کر رہی ہے مگر اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ ہندو مورتیوں کی پوجا آج بھی کر رہے ہیں، اس کے برخلاف عرب میں تنہا ایک شخص اٹھتا ہے اور بت پرستی کے خلاف آواز بلند کرتا ہے، اس کی آواز اتنی اثر انگیز اور انقلاب آفریں ثابت ہوتی ہے کہ ملک عرب کے ہر گوشہ سے بت پرستی کا وجود ہی سرے سے مٹ جاتا ہے۔ بت پرست، بت شکن بن جاتے ہیں۔ دنیا کے پردے پر جہاں جہاں مسجدیں پائی جاتی ہیں اُن میں بت تو ایک طرف رہے کسی جاندار کی تصویر تک دکھائی نہیں دیتی۔ تو ایسے شخص کو میں نبی نہیں خدا کہوں گا۔''

مگر ہم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی حضور کے معجزات، کارناموں اور فضائل و کمالات کو واقعہ کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ہی کہتے ہیں! حضور کمال عبدیت کے اس مقام پر فائز ہیں جس سے بلند تر کوئی مقام نہیں اور جو انسانیت کی معراج ہے۔''

Marfat.com

• عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس اور مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے دربار میں آتے ہیں۔ صحابہ کرام کی عقیدت مندیوں اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں یا پیغمبر؟ دفعتہً مدینہ شریف کی ایک کنیز آ کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضور سے کچھ عرض کرنا ہے۔ فرمایا دیکھو مدینہ منورہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری بات سن سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔ اس ظاہری جاہ و جلال کے پردے میں یہ عجز یہ خاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اُٹھ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ فوراً آ گلے ملے۔ صلیب اتار دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔

• ڈاکٹر مشیلے لکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گزشتہ اور موجودہ لوگوں میں سب سے اکمل اور افضل تھے اور آئندہ ان جیسا پیدا ہونا محال اور قطعاً غیر ممکن ہے۔

• واشنگٹن اروِنگ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام بڑی دلآویز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے تبسم میں ایک ایسی حلاوت اور ایسی لطافت تھی جو دل کو موہ لیتی تھی۔ آپ تمام عربوں سے زیادہ خوش شکل اور خوب صورت تھے اور معاملات میں ہمیشہ آپ سچے اور انصاف پسند تھے۔

• مشہور مستشرق ڈاکٹر گستاؤ لیبان کہتا ہے کہ اس پیغمبر اسلام اور اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے جس کی آواز نے ایک ایسی ناہنجار قوم کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کی محکوم نہیں ہوئی تھی اسے رام کیا اور اس درجہ تک پہنچا دیا کہ اس نے دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا اور آج بھی وہی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان اللہ تعالیٰ کو کلمہ اسلام پر قائم کیے ہوئے ہیں۔

• شریمتی کملا دیوی اپنی کتاب ''بولو شری محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جے'' میں رقمطراز ہے کہ اے عرب کی مہاپرش (عظیم انسان) آپ مہاسندر، من موہن جن کی سکتنا سے مورتی پوجا ہٹ گئی اور ایشور بھگتی (اللہ تعالیٰ پرستی) کا دھیان پیدا ہوا۔ یہ آپ ہی کی کرپا تھی کہ عرب دیش کے ظالم اور ڈاکو اعلیٰ درجے کے مہنت اور سادھو بن گئے۔ اے مہاسندر

Marfat.com

رشی (بہت ہی خوب صورت نبی) میں اس لئے آپ کے نام کی مالا جپتی ہوں کہ آپ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بچالیا اور اس کے حقوق تسلیم کئے۔

- اندرا کالج بمبئی کے ایک پروفیسر شانتا رام لکھتے کہ میں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مشاہیر کی سوانح حیات پڑھنے میں صرف کیا ہے اور میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم انسان ہیں اور ان کے مقابلے کا انسان روئے زمین پر نظر نہیں آتا۔

- مہاتما گاندھی نے لکھا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) روحانی پیشوا تھے۔ مگر ان کی تعلیمات کو سب سے بہتر میں سمجھتا ہوں۔ کسی روحانی پیشوا نے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا پیغام ایسا جامع اور مانع نہیں سنایا جیسا کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے۔

- مہارانی آرٹس کالج میسور (بھارت) میں صدر فلسفہ ریڈر پروفیسر راما کرشنا راؤ اپنی کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے باب اول میں لکھتے ہیں کہ تمام فرزندان عرب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لئے ایک ''بامعنی مفکر'' ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے اور بعد میں پیدا ہونے والے تمام شعراء اور بادشاہوں میں آپ ہی سب سے زیادہ عظیم ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت کی مکمل صداقت بیان کرنا انتہائی مشکل ہے۔ میں صرف اس کی ایک جھلک بیان کر سکتا ہوں۔ یعنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیغمبر، ایک جنرل، ایک سپہ سالار، ایک سپاہی، ایک تاجر، ایک مبلغ، ایک فلسفی، ایک سیاست دان، ایک مصلح، یتیموں کے سرپرست، غلاموں کے محافظ، عورت کے نجات دہندہ، ایک جج اور روحانی پیشوا اور ان تمام اعلیٰ کردار اور ان تمام انسانی سرگرمیوں میں آپ ہیرو (Hero) کی مانند ہیں۔

- مشہور عیسائی مورخ ایورنڈیا سورتھ سمتھ لکھتے ہیں کہ مذہب اور حکومت کے رہنما اور گورنر کی حیثیت سے پوپ اور قیصر کی دو شخصیتیں آپ کے ایک وجود میں جمع تھیں۔ آپ پوپ تھے مگر پوپ کی ظاہر داریوں سے پاک، آپ قیصر تھے مگر قیصر کے جاہ وحشم سے بے نیاز، اگر دنیا میں کسی شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ اس نے باقاعدہ فوج کے بغیر

شاہی محل کے بغیر اور لگان کی وصولی کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر دنیا میں امن و استحکام قائم کیا تو وہ صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ کو اس ساز و سامان کے بغیر ہی سب کی سب طاقتیں حاصل تھیں۔

- ڈاکٹر وی رائٹ اسلامک ریویو اینڈ انڈیا میں لکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات اور قوم کے لئے نہیں بلکہ دنیائے ارضی کے لئے ابر رحمت تھے۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں ہے جس نے احکامِ خداوندی کو اس مستحسن طریقے سے انجام دیا ہو۔
- موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے رہنما بن جائیں۔ (جارج برناڈ شاہ)
- تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا، برٹنکا)
- اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام منصفوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی سوانح حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات سے زیادہ مفصل اور سچی ہو۔ (ڈیون بوٹ)
- پیغمبرِ اسلام نے توحید کی ایسی تعلیم دی جس سے ہر قسم کے باطل عقائد کی قوتیں ہل گئیں۔ (موتی لال ماتھر)
- مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ بھر تامل نہیں۔ (مہاتما گاندھی)
- آپ ﷺ کی خوش اخلاقی، فیاضی اور رحم دلی محدود نہ تھی (ڈاکٹر جی ڈیل)
- وقت دور نہیں جبکہ قرآن اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کچھ اپنے اندر جذب کر لے گا۔ وہ دن بھی دور نہیں جبکہ اسلام ہندو مذہب پر غالب آ جائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہو گا۔ (رابندر ناتھ ٹیگور)
- یہ تو ضرور ماننا پڑے گا کہ قرآن جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان کیا ہے وہی کا وہی ہے اس میں توریت و انجیل کی طرح تحریف نہیں ہوئی۔ (سر ولیم میور)
- اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بنی نوع انسان کے بھلے کے لئے جئے۔ (پنڈت دھرم شاستری دیو)

Marfat.com

- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوانح نگاروں کا ایک ایسا طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے۔ بلکہ اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے۔ (پروفیسر مارگولیس)
- مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے نہایت عزت ہے اور میری رائے میں بانیانِ دین و رہبران بنی نوع انسان میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ (لالہ لاجپت رائے)
- اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے پکے اور سچے راست باز ریفارمر تھے۔ (ڈاکٹر فریمن، معجزات اسلام)
- کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوصِ نیت، سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (کرنل سائنس)
- جب کوئی مجھے یہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب پھیلایا تھا تو مجھے اس شخص کی کم فہمی پر ہنسی آتی ہے۔ (ماسٹر تارا سنگھ)
- گیتا میں جیسا کہا گیا ہے جب خرابیاں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں تو ان کے دور کرنے کے لئے سوھارکوں کا جنم ہوا کرتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جنم عرب میں ہوا۔ (مہاتما نارائن، سوامی پردھانند)
- مستشرق ہرش فیلڈ نے اپنی کتاب New Researches میں لکھا:

  ''دنیا کی کسی قوم نے اتنی جلدی تہذیب حاصل نہیں کی جیسے کہ عربوں نے اسلام کی بدولت حاصل کی۔'' اس تہذیب کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہدایت بخشی کارفرما تھی، جس نے ان گنت انسانوں کو عارف کامل بنا دیا اور ایک شاندار کلچر کی بنیاد رکھی۔ یہ اعزاز دنیا میں صرف ایک ہی انسان کامل کو عطا ہوا جس پر سلسلۂ کمالات انسانیہ بھی تمام ہوا اور سلسلہ نبوت و رسالت بھی اور دائرۂ استعدادات بشریہ بھی اسی بے مثال ہستی پر اپنے کمال کو پہنچا۔
- عروہ بن مسعود ثقفی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے

Marfat.com

موقع پر قریش کو صحابۂ کرامؓ کے اس نقشہ کی خبر کچھ اس طرح بتائی۔

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے بادشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقع ملا ہے۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے سامنے حاضر ہوا ہوں، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا، جس کی لوگ اتنی عزت کرتے ہوں جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی آپ کی کرتے ہیں۔ قسم اللہ تعالیٰ کی آپ کا لعابِ دہن نہیں گرتا تھا مگر ان کے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں اور پھر وہ اپنے چہرے پر مل لیتا ہے اور جب آپ ان کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت انکے وضو کے پانی پر آپس میں الجھ پڑتے ہیں اور جب محمد ﷺ بات کرتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور آپ کو دل بھر کر انکی عظمت کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے۔'' (نقوش رسول نمبر، جلد ۶)

یہ دوست کی نہیں بلکہ دانا دشمن کی شہادت ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک ایک موئے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ حضرت عبیدہ تابعی جنہیں حضرت انسؓ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک ہاتھ آ گیا تھا فرماتے ہیں کہ میرے پاس اس بال (موئے مبارک) کا ہونا، اس سے زیادہ محبوب ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب کچھ میرے یہاں ہو۔ سبحان اللہ۔ (نقوش رسول نمبر، جلد ۶)

۱۴۰ ایک مرتبہ عثمان بن طلحہؓ کلید بردار کعبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا دروازہ کھلوانے کیلئے کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ بظاہر سخت ناسازگار اور مایوس کن حالات کے درمیان کھڑے ہو کر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن آنے والا ہے جبکہ یہ کنجی خود ہمارے ہاتھ میں ہو گی اور ہم جسے چاہیں گے اسے دینگے۔ اسی طرح بظاہر بے سروسامانی کے عالم میں سفر ہجرت کرتے ہوئے جو نگاہ سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ لیتی ہے اسی سے آپ کی دعوت کے منشا اور اپنے تمدنی نصب العین کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

۱۴۱ غزوۂ بدر کے کچھ دن بعد خانہ کعبہ میں عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عمیر شیاطین قریش میں سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو ستانے اور اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ اس کا بیٹا وہب بدر کے اسیران جنگ میں تھا۔ عمیر نے دلی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بدر میں ہمارے ساتھیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں اور انہوں نے کس بے رحمی سے ان کو گڑھے میں پھینک دیا۔ اللہ کی قسم اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور عیال دار نہ ہوتا جس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے تو میں سوار ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا کیونکہ اب تو ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔ اس پر صفوان بن امیہ نے کہا کہ تمہارا قرض میں ادا کر دیتا ہوں۔ تمہارا عیال میرے عیال کے ساتھ رہے گا میں تمہارے بال بچوں کا کفیل رہوں گا جب تک وہ زندہ ہیں۔ دونوں کے درمیان یہ راز دارانہ گفتگو ہونے کے بعد عمیر بن وہب زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گیا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو اس وقت حضرت عمر فاروقؓ مسلمانوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے غزوۂ بدر میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایات کا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے عمیر کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اس کا ارادہ بھانپ لیا اور شمشیر بدست عمیر کو روکنے کے لئے کھڑے ہو گئے مگر حضور نے کمال تحمل سے عمیر کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔

"عمیر! کیوں آنا ہوا۔"

عمیر نے جواب دیا۔ اپنے بیٹے کے لئے جو آپ کے پاس اسیران جنگ میں ہے۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر بیٹے کے لئے آئے ہو تو گلے میں تلوار آڑی کیوں لٹکائی ہے؟
سچ سچ بتاؤ کس لئے آئے ہو۔"

عمیر نے جواب دیا کہ فقط بیٹے کے لئے۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں تو اپنے بیٹے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ تو اور صفوان دونوں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے تو نے مقتولین بدر کا ذکر کیا جو گڑھے میں پھینکے گئے تھے۔ پھر تو نے کہا کہ مجھ پر بار عیال نہ ہوتا تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے نکلتا۔ یہ سن کر صفوان نے بار قرض وعیال اپنے ذمے لیا اس غرض سے کہ تو مجھے قتل کر دے مگر اللہ تیرے اور تیری اس غرض کے درمیان حائل ہے۔''

یہ سن کر عمیر بے ساختہ پکار اٹھا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یارسول اللہ! آپ نے جو بات بتلائی وہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھی۔ اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کو کسی نے نہیں بتلائی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی۔''

یہ کہہ کر عمیر بن وہب نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔''

- حضرت عباس ان دس رؤسائے قریش میں سے تھے جنہوں نے جنگ بدر کیلئے رسد کا سامان فراہم کرنا اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس غرض سے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ ان کو نوبت کھانا کھلانے کی نہ آئی اس لئے وہ سونا انہیں کے پاس رہا اور ان کی گرفتاری پر مال غنیمت میں شامل کرلیا گیا۔ بدر کے قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ حسب استطاعت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھا۔ جنکے پاس مال نہ تھا اور وہ لکھنا جانتے تھے ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ وہ انصار کے دس نوجوانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت نے اس طرح لکھنا سیکھا تھا جب قیدیوں کے فدیے کی بات چلی تو حضرت عباس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا:

''اللہ کو تیرے اسلام کا خوب علم ہے۔ اگر تو سچا ہے تو اللہ تجھے جزا دے گا تو اپنے فدیے کیساتھ عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عمرو بن مجدم کا فدیہ بھی ادا کر۔''

Marfat.com

یہ سن کر حضرت عباس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی مال نہیں اس پر رسول اکرم نے فرمایا:

''وہ مال کہاں ہے جو تو نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اسے کہا تھا کہ اگر میں لڑائی میں مارا جاؤں تو اتنا فضل کو اتنا عبداللہ اور اتنا عبیداللہ کو ملے۔''

یہ سن کر عباس نے کہا۔ قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اس مال کا علم سوائے میرے اور ام الفضل کے کسی کو نہ تھا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ بات آپ کو اللہ کے سوا کسی نے نہیں بتائی اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا:

''تیرا یہ بیس اوقیہ سونا فدیے میں شمار نہ ہوگا۔ یہ تو اللہ عزوجل نے ہمیں عطا کیا ہے۔''

چنانچہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور حلیف کا فدیہ ادا کر دیا۔

- حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری رات میں روز روشن کی طرح دیکھتے تھے۔ ایک بار آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کیا تم یہاں میرا قبلہ رو ہونا دیکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع وسجود ہرگز مخفی نہیں ہوتا۔ میں تم کو اپنی پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پچھلی صفوں والوں کو بھی یوں دیکھتے تھے جیسے کہ اپنے سامنے والوں کو۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ جس طرح میں تمہیں اپنے سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح میں تمہیں نماز اور رکوع میں اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ حضور نبی کریم نے فرشتوں اور شیاطین کو دیکھا۔ شب معراج کی صبح کو مکہ میں قریش کے آگے بیت المقدس کو دیکھا اور اس کا حال بیان فرمایا۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت مدینۂ منورہ سے خانہ کعبہ کو دیکھا۔ حضرت جعفر طیارؓ کو شہادت کے بعد جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا اور غزوۂ احزاب میں خندق کی کھدائی کرتے ہوئے شام کے سرخ محلات، کسریٰ کے سفید محل اور صنعا کے دروازوں کو دیکھا۔ اسی طرح غزوہ موتہ میں حضرت زید بن حارث، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد

Marfat.com

دیگرے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں بیٹھے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔

- بصارت کی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سماعت بھی بطریق خرقِ عادت غایت درجہ کی عنایت کی تھی۔ اسی لئے آپ صحابہ کرام سے فرماتے تھے۔

"میں جو دیکھتا ہوں، تم نہیں دیکھ سکتے اور میں جو سنتا ہوں وہ تم نہیں سن سکتے، میں تو آسمانوں کے چرچرانے کی آواز بھی سن لیتا ہوں۔"

آسمانوں کی آواز کی طرح حضور آسمان کے دروازے کے کھلنے کی آواز بھی سن لیتے تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ اچانک رسول اللہ نے اپنے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی۔ آپ نے سر مبارک اٹھایا تو حضرت جبرئیل نے عرض کی یارسول اللہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج ہی کھلا ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔"

- خندق کی کھدائی کے دوران نبوت کی کئی نشانیاں بھی جلوہ فگن ہوئیں۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبیؐ کے اوپر سخت بھوک کے آثار دیکھے تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (تقریباً ڈھائی کلو) جو پیسا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رازداری کے ساتھ گزارش کی کہ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ تشریف لائیں۔ لیکن نبیؐ کریمؐ تمام اہل خندق کو جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، ہمراہ لے کر تشریف لے آئے اور سب لوگوں نے اسی ذرا سے کھانے سے شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی گوشت کی ہانڈی اپنی حالت پر برقرار رہی اور بھری کی بھری جوش مارتی رہی اور گوندھا ہوا آٹا اپنی حالت پر برقرار رہا۔ اس سے روٹی پکائی جاتی رہی۔ (الرحیق المختوم)

- ایک روز ابولہب کا بیٹا عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور سخت کلامی سے پیش آیا۔ اور آپ کا کرتا مبارک پھاڑ دیا۔ اسی موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا: اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔ نبی ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ عتبہ ایک بار

Marfat.com

قریش کے کچھ لوگوں کے ہمراہ سفر میں گیا۔ جب انہوں نے ملک شام کے مقام زرقا میں پڑاؤ ڈالا تو رات کے وقت شیر نے ان کا چکر لگایا۔ عتبہ نے دیکھتے ہی کہا: ''ہائے میری تباہی! یہ خدا کی قسم مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر کہا تھا۔ دیکھو میں شام میں ہوں۔ لیکن آپ نے مکہ میں رہتے ہوئے مجھے مار ڈالا۔ احتیاطاً لوگوں نے عتبہ کو اپنے اور جانوروں کے گھیرے کے بیچوں بیچ سلایا۔ لیکن رات کو شیر سب کو پھلانگتا ہوا سیدھا عتبہ کے پاس پہنچا اور سر پکڑ کر ذبح کر ڈالا۔ (الرحیق المختوم)

● ایک دن ابوجہل پہلے سے بنے ہوئے منصوبے کے تحت ایک بھاری بھرکم پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ حسبِ دستور حرم پاک میں تشریف لائے اور نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی اپنی اپنی مجلسوں میں آ چکے تھے اور ابوجہل کی کارروائی دیکھنے کے منتظر تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تشریف لے گئے تو ابوجہل نے پتھر اٹھایا۔ پھر آپ کی جانب بڑھا۔ لیکن جب قریب پہنچا تو شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا۔ اس کا رنگ فق تھا اور وہ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ بمشکل ہاتھ سے پتھر پھینک سکا۔ ادھر قریش کے کچھ لوگ اُٹھ کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ابوالحکم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' اس نے کہا: ''میں نے رات جو بات کہی تھی وہی کرنے جا رہا تھا لیکن جب آپ کے قریب پہنچا تو ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ بخدا میں نے کبھی کسی اونٹ کی ویسی کھوپڑی ویسی گردن اور ویسے دانت دیکھے ہی نہیں۔ وہ مجھے کھا جانا چاہتا تھا۔'' ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ اگر ابوجہل قریب آتا تو اسے دھر پکڑتے۔'' (الرحیق المختوم)

● رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو یہ احتیاط رکھی کہ قریش مکہ کو مسلمانوں کی تیاریوں کا حال معلوم نہ ہونے پائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف کی جانب روانگی کے لئے مکمل تیاری کر لی تو ایک بدری صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے قریش کو مسلمانوں کی تیاری کی اطلاع دینے کیلئے ایک خط ایک عورت کے ہاتھ روانہ کیا وہ عورت روانہ ہو گئی تو رسول اللہ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ

سے فرمایا کہ تم مکہ معظّمہ کی طرف جاؤ راستے میں دجاجہ کے باغ میں تمہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس جو خط ہے وہ لے آؤ۔ آپ تینوں صحابہ کرامؓ تیز رفتار سواریوں پر مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور جیسے کہ حضور نے فرمایا تھا۔ دجاجہ کے باغ میں اس عورت کو جالیا۔ انہوں نے اس خط کے بارے میں پوچھا تو اس نے خط کی موجودگی سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے سارے سامان کی تلاشی لی گئی مگر خط نہ ملا۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے عورت سے کہا:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کبھی غلط نہیں ہوسکتی اور نہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ یا تو خط ہمارے حوالے کر دو ورنہ میں ابھی تلوار سے تمہارا سر قلم کر دوں گا۔''

یہ کہتے ہوئے حضرت علیؓ نے تلوار سونت لی تو عورت نے اپنے بالوں میں سے خط نکال کر حضرت علیؓ کے حوالے کر دیا۔ تینوں صحابیوں نے عورت کو گرفتار کر لیا اور اسے خط سمیت رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے حاطب کو بلایا اور ان کی موجودگی میں خط پڑھا گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

''حاطب کی طرف سے اہل مکہ کی طرف۔ جان لو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔''

حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے۔ انہوں نے جوش میں آ کر کہا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمر! حاطب بدری ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل بدر کے گناہ معاف کر چکا ہے۔ پھر حضور نے حاطب سے دریافت فرمایا۔ اے حاطب! تم نے یہ حرکت کیوں کی۔ حاطب نے جواب دیا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی قسم میں اللہ اور اللہ کے رسول کا سچا وفادار ہوں۔ میرے اقربا مکہ میں محصور ہیں میں نے صرف ان کی حفاظت کے خیال سے قریش کو خط لکھا تھا۔''

اس پر حضور نے حاطب کا قصور معاف فرما دیا اور اس عورت سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جو شریک جرم تھی۔

Marfat.com

- ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث انصاریہ نے جنگ بدر کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے جنگ میں شمولیت کی اجازت دیجئے۔ میں زخمیوں کا علاج کروں گی۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ تجھے شہادت عطا فرمائے گا تو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھ''

اس صحابیہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی حکم دیا تھا کہ اپنے اہل خانہ اور اہل محلّہ کی خواتین کو اپنے گھر میں نماز باجماعت پڑھایا کرے اور خود امامت کیا کرے۔ اس صحابیہ کے ہاں ایک غلام اور لونڈی تھی جن سے انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ میری وفات کے بعد تم دونوں آزاد ہو۔ ان دونوں نے سازش کر کے صحابیہؓ کو شہید کر دیا اور فرار ہو گئے۔ یہ حضرت عمرؓ کا دور خلافت تھا۔ دونوں کو گرفتار کر کے موت کی سزا دے دی گئی۔ حضرت اُم ورقہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ حضور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آؤ شہیدہ کے ہاں حاضری دے آئیں۔''

- اسی طرح ایک بار حضرت سعد بن معاذ نے مکے میں امیہ بن خلف سے کہہ دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان تمہیں قتل کریں گے تو اس سے امیہ پر سخت گھبراہٹ طاری ہوگئی، جو مسلسل قائم رہی چنانچہ اس نے عہد کر لیا کہ وہ مکے سے باہر ہی نہ نکلے گا اور جب جنگ بدر کے موقع پر ابوجہل کے اصرار سے مجبور ہو کر نکلنا پڑا تو اس نے مکے کا سب سے تیز رو اونٹ خریدا تا کہ خطرے کی علامات ظاہر ہوتے ہی فرار ہو جائے۔ ادھر جنگ میں جانے پر آمادہ دیکھ کر اس کی بیوی نے بھی ٹوکا کہ ابوصفوان: ''آپ کے یثربی بھائی نے جو کچھ کہا تھا اسے آپ بھول گئے۔'' ابوصفوان نے جواب میں کہا کہ نہیں، بلکہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم ان کے ساتھ تھوڑی ہی دور جاؤں گا۔ لیکن جیسا آپؐ نے فرمایا تھا غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

- ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عبداللہ بن حارث اپنی قوم کے قیدیوں کی

Marfat.com

رہائی کے متعلق بات کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے ان کے ساتھ چند مادہ شتر اور ایک حبشن لونڈی تھی یہ ان سب کو پہاڑی کی ایک گھاٹی میں چھپا کر چھوڑ گئے تھے۔ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسیران کی رہائی کی بابت گفتگو کی تو نبی کریم نے فرمایا کہ تم فدیے کے لئے کیا لائے ہو۔ عبداللہ نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ اونٹنیاں کیا ہوئیں اور لونڈی کدھر گئی جسے تم فلاں جگہ چھپا کر آئے ہو؟ اب تو وہ حیران ہوا اس نے عرض کیا کہ میرے ساتھ اور کوئی بھی شخص نہیں تھا اور مجھ سے پہلے حضور کے پاس ادھر سے اور کوئی آیا بھی نہیں۔ میں اسلام لاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں تجارت کی غرض سے ملک شام گئے۔ انہوں نے وہاں خواب دیکھا کہ آسمان سے نور کا ایک ہالہ اترا اور کعبہ کی چھت پر چمکنے لگا اس کے بعد وہ نور ان کے مکان میں جمع ہو گیا۔ انہوں نے اپنا یہ خواب وہاں کے ایک راہب کو سنایا۔ راہب نے خواب سن کر پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ کہاں کے رہنے والے ہو اور کون سے قبیلے سے تعلق ہے۔ حضرت ابوبکر کے سب سوالوں کے جواب سن کر راہب نے کہا:

> ”تمہاری قوم میں ایک نبی پیدا ہوگا، جس کے ماننے والے ساری دنیا
> میں ہوں گے اور تم اس نبی کے پیارے ساتھی ہو گے۔“

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ شام سے واپس آئے تو لوگوں نے انہیں بتایا کہ ابوطالب کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ لوگوں کی یہ بات سن کر ان کو فوراً اپنے خواب کا خیال آیا اور اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اللہ نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں لوگوں کو اس بات کی تلقین اور تبلیغ کروں کہ وہ بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا کہ اس

Marfat.com

دعوے کی کوئی دلیل بھی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس بات پر حضور مسکرائے اور فرمایا کیا شام میں جو خواب دیکھا تھا اور راہب نے جو اس کی تعبیر بتلائی تھی وہ کافی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ سنتے ہی فوراً ایمان لے آئے اور وہ خواب سچا ثابت ہوا جو انہوں نے شام میں دیکھا تھا۔

- غزوۂ خیبر سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر ادا کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی وجہ سے جماعت میں شامل نہ ہو سکے آپ اُس وقت حضرت علیؓ کے زانوے مبارک پر اپنا سر رکھ کر آرام فرمانے لگے۔ چونکہ حضرت علیؓ نے نمازِ عصر ادا نہیں کی تھی اسی لئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے کہ نمازِ عصر کا وقت گزر رہا ہے چونکہ یہ نماز سب نمازوں سے افضل ہے اور جس کی تاکید قرآن مجید کی (سورۃ بقرہ، آیت ۲۳۸) میں اس طرح کی گئی ہے۔

"نمازوں کی حفاظت کرو خاص طور پر درمیان والی نماز (نمازِ عصر) کی
اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو۔"

باوجود اتنی تاکید کے حضرت علیؓ نے عمداً نمازِ عصر کو ترک کیا محض اس خیال سے کہ اگر میں اپنا زانو ہلاؤں گا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو جائیں گے اور آپ کے آرام میں خلل آ جائے گا۔ لہٰذا آپ نے محض حضور کی اطاعت کے باعث زانو کو نہ ہلایا۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا اور نمازِ عصر کا وقت جاتا رہا۔ مگر جب آپ بیدار ہوئے تو حضرت علیؓ نے نماز کے فوت ہو جانے کا حال عرض کیا تو حضور نے دعا فرمائی:

"یارب العالمین اگر علی تیری اطاعت میں تھا تو پھر آفتاب کو طلوع کر دے۔"

پس اسی وقت ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ آیا۔ حضرت علیؓ نے نہایت تسکین کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی اور پھر آفتاب غروب ہو گیا۔ (اللہ اکبر) (نقوش رسول، جلد ۴)

- فتح مکہ کے بعد جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبے پر چڑھ کر اذان کہیں۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتّاب بن اَسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ عتاب نے کہا، اللہ نے اسید کو فوت

Marfat.com

کر کے اس پر یہ کرم کیا کہ وہ یہ اذان نہ سن سکا ورنہ اسے ایک ناگوار چیز سننی پڑتی۔ اس پر حارث نے کہا، سنو! واللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ برحق ہیں تو میں ان کا پیروکار بن جاؤں گا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا، دیکھو! واللہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ اگر میں بولوں گا تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ اس کے بعد نبی ؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں، وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپ ؐ نے ان کی گفتگو دہرا دی۔ اس پر حارث اور عتاب بول اٹھے، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ؐ اللہ کے رسول ؐ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! کوئی شخص ہمارے ساتھ تھا ہی نہیں کہ ہماری اس گفتگو سے آگاہ ہوتا اور ہم کہتے کہ اس نے آپ ؐ کو خبر دی ہوگی۔

۱۴۰ غزوۂ بدر کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ معززین قریش میں سے کون کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ ربیعہ کے دونوں صاحبزادے عتبہ اور شیبہ اور ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، ابن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف اور مزید کچھ لوگوں کے نام گنوائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے پاس لا کر ڈال دیا ہے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ تنگ کرنے والوں میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یہ سب کے سب بدر کے کنویں میں مقتول پڑے ہوئے تھے۔

- اللہ عزوجل نے غزوۂ بدر کی رات بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر موسلا دھار برسی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر برسی اور انہیں پاک کر دیا، اسکی وجہ سے ریت میں سختی آ گئی اور قدم ٹکنے کے لائق ہو گئے قیام خوشگوار ہو گیا اور دل مضبوط ہو گئے۔
- اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی ترتیب فرمائی۔ اور میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ؐ اپنے مبارک ہاتھ سے اشارہ فرماتے جا رہے تھے کہ یہ کل

Marfat.com

فلاں کی قتل گاہ ہے۔ ان شاء اللہ اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے، ان شاء اللہ۔ وہیں ایک درخت کی جڑ کے پاس رات گزاری یہ رات جمعہ 17 / رمضان 2ھ کی رات تھی صفوں کی درستگی کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک تیر تھا جس کے ذریعے آپ صف سیدھی فرما رہے تھے کہ سواد بن غزیہ کے پیٹ پر، جو صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے، تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا، سواد! برابر ہو جاؤ۔ سواد نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچا دی بدلہ دیجئے۔ آپؐ نے اپنا پیٹ کھول دیا اور فرمایا، بدلہ لے لو۔ سواد آپؐ سے چمٹ گئے اور آپؐ کے پیٹ مبارک کا بوسہ لینے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: سواد اس حرکت پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ! جو کچھ درپیش ہے آپؐ دیکھ ہی رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ایسے موقعے پر آپؐ سے آخری معاملہ یہ ہو کہ میری جلد آپؐ کی جلد سے چھو جائے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (ضیاء النبی اور سید الوریٰ)

- پھر جب گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی، نہایت زور کا رن پڑا اور لڑائی شباب پر آ گئی تو آپؐ نے خوب تضرع کے ساتھ دعا کی، ادھر اللہ نے فرشتوں کو وحی کی کہ:

ترجمہ: ''میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا۔'' (سورۃ الانفال، آیت ۱۲)

اس کے بعد آپؐ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور قریش کی طرف رخ کر کے فرمایا: شاھت الوجوہ چہرے بگڑ جائیں اور ساتھ ہی مٹی ان کے چہروں کی طرف پھینک دی۔ پھر مشرکین میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنے اور منہ میں اس ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ کچھ گیا نہ ہو۔ اسی کی بابت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: تم لوگوں نے ان کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس وقت تم نے کنکریاں پھینکیں تھیں وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ (سورۃ الانفال، آیت ۱۷)

- ڈاکٹر علامہ اقبال نے اسی موقع کے لئے کہا تھا:

Marfat.com

''فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردُوں سے قطار اندر قطار اب بھی''

● یہ معرکہ، مشرکین کی شکست فاش اور مسلمانوں کی فتح مبین پر ختم ہوا اور اس میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، لیکن مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید کئے گئے جو عموماً قائد، سردار اور بڑے بڑے سربرآوردہ حضرات تھے۔ خاتمۂ جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین کے پاس کھڑے ہوکر فرمایا:

''تم لوگ اپنے نبی کیلئے کتنا بڑا کنبہ اور قبیلہ تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ اوروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے بے یارو مددگار چھوڑا جبکہ اوروں نے میری تائید کی۔ تم نے مجھے نکالا جبکہ اوروں نے مجھے پناہ دی۔''

اسکے بعد آپ کے حکم سے انہیں گھسیٹ کر بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ (الرحیق المختوم)

● حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بدر کے روز قریش کے چوبیس بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے خبیث کنویں میں پھینک دی گئیں۔ آپ ؐ کا دستور تھا کہ آپ جب کسی قوم پر فتحیاب ہوتے تو تین دن میدانِ جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن آیا تو آپ ؐ کے حسب الحکم آپ کی سواری پر کجاوہ کسا گیا۔ اس کے بعد آپ ؐ پیدل چلے اور پیچھے پیچھے صحابہ کرامؓ بھی چلے۔ یہاں تک کہ آپ ؐ کنویں کی منڈیر پر کھڑے ہو گئے۔ پھر انہیں ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر پکارنا شروع کیا۔ اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش آتی ہے (یعنی کیا اب تم یہ حسرت کرتے ہو) کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کی ہوتی؟ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے برحق پایا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں؟ نبی ؐ نے فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔ (الرحیق المختوم)

۱۴۳ غزوۂ احد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل تیروں کی بارش کی جارہی تھی تو دو قریشی صحابہ یعنی حضرت سعد ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما نے نادرالوجود جانبازی اور بے مثال بہادری سے کام لے کر صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنا دی۔ یہ دونوں عرب کے ماہر ترین تیرانداز تھے۔ انہوں نے تیر مار مار کر مشرکین حملہ آوروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پرے رکھا۔ جہاں تک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اپنے ترکش کے سارے تیر ان کے لئے بکھیر دیئے اور فرمایا: ''تم تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام اور ان کے سوا کسی اور کے لئے ماں باپ کے فدا ہونے کی دعا نہیں فرمائی۔ (یہ بہت بڑی سعادت ہے)۔ (الرحیق المختوم)

- اس موقع پر مسلمانوں نے ایسی بے مثال جانبازیوں اور تابناک قربانیوں کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سپر بنا لیا۔ وہ اپنا سینہ سامنے کر دیا کرتے تھے تاکہ آپؐ کو دشمن کے تیروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز ابوطلحہؓ آپؐ کے آگے اپنی ایک ڈھال لے کر سپر بن گئے۔ وہ ماہر تیرانداز تھے۔ بہت کھینچ کر تیر چلاتے تھے، چنانچہ اس دن دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں۔ نبیؐ کے پاس سے کوئی آدمی تیروں کا ترکش لئے گزرتا تو آپؐ فرماتے کہ انہیں ابوطلحہؓ کے لئے بکھیر دو اور نبیؐ قوم کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تو ابوطلحہؓ کہتے: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ آپ کو قوم کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینہ کے آگے ہے۔'' (الرحیق المختوم)

- ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تشریف لا چکے تو ابی بن خلف یہ کہتا ہوا آیا کہ محمد کہاں ہے؟ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ صحابہؓ نے کہا یارسول اللہؐ! ہم میں سے کوئی اس پر حملہ کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے

Marfat.com

آنے دو۔ جب قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارثؓ بن صمہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے آ پہنچے۔ اس کی خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھلی دکھائی دی۔ آپ نے اسی کا نشانہ لے کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا۔ جب قریش کے پاس گیا۔ گو گردن میں کوئی خراش نہ تھی مگر کہنے لگا، مجھے واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا، خدا کی قسم تم نے دل چھوڑ دیا ہے ورنہ تمہیں کوئی خاص چوٹ نہیں ہے۔ اس نے کہا !وہ مکے میں مجھ سے کہہ چکے تھے کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ اس لئے خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو بھی میری جان چلی جاتی۔ بالآخر اللہ کا یہ دشمن مکہ واپس ہوتے ہوئے مقام سرف پہنچ کر مر گیا۔ ابوالاسود نے حضرت عروہؓ سے روایت کی ہے کہ یہ بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور کہتا تھا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے اگر وہ ذی المجاز کے سارے باشندوں کو ہوتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔ (الرحیق المختوم)

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ کا حال دیکھا تو سخت غمگین ہوئے۔ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ تشریف لائیں، وہ بھی اپنے بھائی حضرت حمزہ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ انہیں واپس لے جائیں۔ وہ اپنے بھائی کا حال دیکھ نہ لیں۔ مگر حضرت صفیہؓ نے کہا: آخر ایسا کیوں؟ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ اللہ کی راہ میں ہے اس لئے جو کچھ ہوا ہم اس پر پوری طرح راضی ہیں۔ میں ثواب سمجھتے ہوئے ان شاء اللہ ضرور صبر کروں گی۔ اس کے بعد وہ حضرت حمزہ کے پاس آئیں انہیں دیکھا، ان کے لئے دعا کی، انا للہ پڑھی اور اللہ سے مغفرت مانگی۔ پھر رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ انہیں حضرت عبداللہؓ بن جحش کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ وہ حضرت حمزہ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔

۱۴۴ جنگ خیبر کی جس رات خیبر کی حدود میں رسول اللہؐ داخل ہوئے فرمایا: ''میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ محبت کرتے ہیں۔'' صبح ہوئی تو صحابہ کرام نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر

Marfat.com

ہوئے۔ ہر ایک یہی آرزو باندھے اور آس لگائے تھا کہ جھنڈا اسے مل جائے گا۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا، علیؓ بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہؓ نے کہا یارسول اللہ! ان کی تو آنکھ آئی ہوئی ہے۔ فرمایا انہیں بلا لاؤ۔ وہ لائے گئے۔ رسول اللہؐ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ وہ شفایاب ہو گئے۔ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ! میں ان سے اس وقت تک لڑوں کہ وہ ہمارے جیسے ہو جائیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں اترو، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور اسلام میں اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں ان سے آگاہ کرو اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

۱۴۵ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ قیصر روم کے نام اپنا مبارک نامہ بھیجا تھا۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کی طرف سے شام کا گورنر تھا انہیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو نہایت غمگین ہوئے اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں تین ہزار فوج موتہ کی طرف روانہ کی۔ اور فرمایا:

> ''اگر زید کو کچھ ہو جائے تو جعفرؓ بن ابی طالب کمان سنبھالیں گے۔ اگر جعفر کو بھی کچھ ہو جائے تو عبداللہؓ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں گے اور اگر عبداللہ بن رواحہ کو بھی کچھ ہو جائے تو مسلمان فوج جسے چاہے اپنا امیر بنا لے۔''

- محدثین کا بیان ہے ''(اس فیصلہ پر) حضرت جعفر بن ابی طالب کھڑے ہو کر کہنے لگے:

> ''اللہ کے رسول! میں نہیں چاہتا کہ آپ مجھ پر حضرت زید کو سپہ سالار مقرر فرمائیں۔'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ (فیصلہ) یونہی چلنے دو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون سی بات بہتر ہے۔''

شرجیل کو خبر پہنچی تو اس نے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر قیصر روم وعرب کی ایک لاکھ فوج لے کر شام اور وادی القریٰ کے درمیان بلقاء میں خیمہ زن ہوا۔ جب لشکر اسلام بلقاء کے نواح میں شہر معان میں پہنچا تو انہیں دشمن کی کثیر تعداد کی اطلاع ملی۔ دو لاکھ کے مقابلے میں مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ انہوں نے چاہا کہ دربار رسالت کو اس حالت کی اطلاع دی جائے اور دشمن کی کثیر تعداد کے پیش نظر حضور سے مزید فوج بھیجنے کی درخواست کی جائے اور پھر حضور کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کی ہمت بندھائی اور کہا:

''ہم نے دشمن کا مقابلہ ہمیشہ تعداد اور ساز و سامان سے نہیں دین اور ایمان کی قوت سے کیا ہے۔ جس کی برکات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز کیا ہے۔ چلو آگے بڑھیں ہمارے لئے دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مقدر ہے۔ ''فتح یا شہادت۔''

● چنانچہ مسلمان آگے بڑھے۔ جب بلقاء کی حد پر پہنچے تو بلقاء کے نواحی گاؤں مشارف میں قیصر روم کا لشکر نظر آیا۔ اس لئے مسلمان موتہ کی طرف چلے گئے۔ موتہ ہی کے مقام پر ان کی دشمنوں سے جنگ ہوئی۔ حضرت زید بن حارث نے دشمن کا مقابلہ بڑی بے جگری سے کیا۔ ان کے ہاتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا جھنڈا تھا۔ انہوں نے اسے سربلند رکھا اور بہادری سے لڑے۔ مگر زخموں سے لہولہان ہو کر بالآخر شہید ہو گئے، ان کے بعد حضور کے حسب الحکم حضرت جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا اٹھا لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ دشمن کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ حضرت جعفر گھوڑے سے اتر آئے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تاکہ دشمن اسے حاصل کر کے استعمال نہ کر سکے۔ پھر دشمن کے مقابلے میں شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے۔ دونوں ہاتھ قلم ہو گئے تو انہوں نے جھنڈے کو گرنے سے بچانے کے لئے سینے سے چمٹا لیا، مگر آخرکار شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد جھنڈا عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا۔ اس وقت وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ مگر گھوڑے سے اتر آئے اور دست بدست دشمن کا مقابلہ کرنے لگے وہ تلوار لے کر دشمن پر جھپٹے، دشمن کی صفوں کو چیرتے

Marfat.com

ہوئے آگے بڑھے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد بالاتفاق حضرت خالدؓ بن ولید نے جھنڈا سنبھالا اور ان کی سرکردگی میں مسلمانوں نے دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ان کے کمان سنبھالنے کے ساتھ ہی لشکر کفار میں تزلزل پڑ گیا۔ جس وقت موتہ کے میدان جنگ میں لشکر اسلام کفار کے دو لاکھ لشکر سے مصروف کارزار تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور موتہ کے واقعات کو یوں مسلمانوں کے سامنے بیان فرما رہے تھے جیسے وہ موتہ کے میدان جنگ کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ حضور بیان فرما رہے تھے۔

> ''زید نے جھنڈا پکڑا اور بہادری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ پھر حضرت جعفر نے کمان سنبھالی۔ جعفر نے پہلے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں پھر حملہ کیا۔ ان کا دایاں بازو کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ بایاں بازو بھی کٹ گیا تو بغل میں لے لیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر جھنڈا عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھ میں آیا۔ وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ مجھے دکھا دیا گیا ہے کہ وہ جنت میں پہنچائے گئے ہیں اور فرشتوں نے انہیں سنہری پلنگوں پر اٹھا کر جنت میں داخل کیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

> ''اے اللہ! تو حضرت زید کی مغفرت فرما (یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ کہے) اے اللہ! تو جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی مغفرت فرما۔''

یوں آپ نے حضرت زید کیلئے تین مرتبہ مغفرت کی دعا کے الفاظ کہے اور اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابو طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ایک ہی استغفار میں جمع فرمایا۔''

۱۴۶ قربان جائیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ادا پر کہ آپ عشاء کے بعد کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لاتے تو آہستہ آہستہ فرماتے ''السلام علیکم'' اس طرح کہ جو سوئے ہوئے ہوں وہ بیدار نہ ہوں اور جو جاگے ہوئے ہوں وہ سن سکیں۔ یہ سنت حضور صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی، ہماری تمام معاشرت ،معاملات اور اخلاقیات کی بنیاد ہے کہ کسی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور

''یہ کل سلوک ہے۔''

(یعنی اصلاح نفس اور تزکیۂ قلب کا لب لباب ہے)

۱۴۷ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ''مثنوی رومی'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک کے معنی بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے وصال مبارک کے ضمن میں آپ کی شادمانی کا ذکر کیا ہے اور یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ اللہ کے خاص اور برگزیدہ بندے اپنی رحلت کو باعثِ مسرت سمجھتے ہیں۔ جبکہ دنیا کے طالب دنیاوی زندگی ہی کو خوشی اور مسرت کا سامان گردانتے ہیں۔

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک بلاشک وشبہ ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ جبکہ حضور کو قبل از وقت اس کی آگاہی ہوگئی تو حضور کو اس کی بے حد مسرت ہوئی۔ ماہ صفر کے آنے پر حضور کی خوشی بڑھی اور آپ شب و روز اس شوق و دھن میں محو رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی آ کر مجھے یہ خوش خبری سنائے گا کہ ماہ صفر گزر گیا اور ربیع الاول کا آغاز ہوگیا ہے، میں اسے جنت کی خوشخبری دوں گا اور قیامت کے دن اس کی شفاعت بھی کرونگا۔ چنانچہ جب ماہ صفر پورا ہوا تو حضرت عکاشہؓ نے حاضر خدمت ہو کر حضور کو ربیع الاول کے چاند کی اطلاع دی اس پر آپ نے اُن کو جنت کی بشارت دی۔ (ذکرِ رسول، یزدانی)
- چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ۱۰ھ میں یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو رخصت کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے فرمایا: ''اے معاذ! غالباً تم مجھ سے میرے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے، بلکہ غالباً میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ اور حضرت معاذؓ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم سے رونے لگے۔
- آپؐ نے رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف فرمایا جبکہ ہمیشہ دس دن ہی اعتکاف فرمایا کرتے تھے، پھر حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو اس سال دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا جبکہ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور کرایا کرتے تھے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: شاید میں اس سال

Marfat.com

کے بعد اپنے اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی نہ مل سکوں۔'' جمرہ عقبہ کے پاس فرمایا: مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھ لو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا۔'' آپؐ پر ایام تشریق کے وسط میں سورہ نصر نازل ہوئی اور اس سے آپؐ نے سمجھ لیا کہ اب دنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے۔ (الرحیق المختوم)

- اوائل صفر ۱۱ھ میں آپؐ دامن احد میں تشریف لے گئے اور شہداء کے لئے دعا فرمائی پھر واپس آ کر منبر پر فروکش ہوئے۔ فرمایا: ''میں تمہارا میرِ کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ میں اس وقت اپنا حوض (حوض کوثر) دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔ (صحیح بخاری)

- ایک روز نصف رات کو آپؐ جنت البقیع تشریف لے گئے اور اہلِ قبور کے لئے دعائے مغفرت کی۔ فرمایا: ''اے قبر والو! تم پر سلام ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ چاہے لے لے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔'' ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بات سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: ''ہم اپنے ماں باپ سمیت آپ پر قربان۔'' اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا، اس کو دیکھو! رسول اللہؐ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے لے لے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔ (لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ) جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سے سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔

- دن چڑھے چاشت کے وقت آپؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی۔ وہ رونے لگیں۔ آپؐ نے انہیں پھر بلایا اور کچھ سرگوشی کی تو وہ مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ بعد میں ہمارے دریافت کرنے

Marfat.com

پر انہوں نے بتایا کہ پہلی بار آپ ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔اس لئے میں روئی۔ پھر آپ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ کے اہل وعیال میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے آؤں گی۔اس پر میں ہنسی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ آپؓ ساری خواتینِ عالم کی سیدہ (سردار) ہیں۔(صحیح بخاری)

- آپ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ازواج مطہراتؓ کو بلایا اور انہیں وعظ ونصیحت فرمائی۔

دانش میں خوف مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز
میں جانتا ہوں کہ موت ہے سنت حضور ﷺ کی

۱۴۸ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ پہنچیں تو سب ۔سے پہلے مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دو رکعت نماز ادا کریں اور اس سعادت کے نصیب ہونے پر اللہ کا شکر ادا کریں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوں اور آپ پر درود وسلام پڑھیں اور گواہی دیں کہ بے شک آپ نے اللہ کا پیغام کماحقہٗ پہنچا دیا اور اُمت کو سیدھی راہ دکھائی اور مدینہ منورہ سے روانگی سے پہلے آپ سے باقاعدہ اجازت حاصل کریں اور دوبارہ حاضری کی گزارش وعرضی پیش کریں۔

- سرورِ کون ومکاں، سلطانِ زمین وزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ حاضری سے پہلے کچھ صدقہ دیا جائے تاکہ انوار وبرکات سے دامن لبریز ہو جائے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

> اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ہے اور اگر صدقہ دینے کی قدرت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔(سورۃ مجادلہ: آیت ۱۲)

- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مسجد کو اگر صنعا و یمن تک وسیع کر دیا جائے تو پھر بھی یہ میری ہی مسجد ہے اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر مسجد نبوی شریف کو ذوالحلیفہ تک وسیع کر دیا جائے تب بھی وہ مسجد نبوی ہی کہلائے گی اور اس کی نسبت اور عظمت برقرار رہے گی۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ مسجد نبوی میں جتنا وقت گزاریں، ذکر و فکر، عبادت، ریاضت تلاوت اور صلوٰۃ و سلام میں مصروف رہیں، مسجد نبوی میں فرض نماز کے بعد افضل ترین عبادت سیدالانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں درود و سلام پیش کرنا ہے۔

- حجِ کعبہ کی سعادت پانے کے بعد مدینۂ منورہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دین و دنیا کی فلاح و سعادت کا موجب ہے۔ گناہوں کی بخشش اور قیامت کے دن رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و حمایت کا وسیلہ ہے۔ مدینۂ منورہ کی زیارت کے بغیر واپسی سخت محرومی و شقاوت کا سبب ہے۔ علمائے امت نے مدینہ منورہ کی حاضری و زیارت کو واجب قرار دیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اگر حج فرض ہو تو پہلے حج کر کے مدینہ منورہ بارگاہ رسالت میں حاضری دی جائے اور اگر حج نفل ہو تو اب حاجی حضرات کو اختیار ہے کہ چاہیں تو پہلے حج سے پاک صاف ہو کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری دیں یا پہلے دربارِ رسالت میں حاضری کو حج کی قبولیت کا وسیلہ بنائیں۔ ہاں اگر مدینہ طیبہ راستہ میں آتا ہو تو اب بلا زیارت و اجازت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حج کو جانا بڑی محرومی کا باعث ہے۔ قرآن پاک میں بارگاہ رسالت کی حاضری کو گناہوں کی بخشش و مغفرت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

مدینہ طیبہ کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے

مدینہ طیبہ کے قیام کے دنوں کا کیا ذکر کیا جائے
کہ ہر روز روزِ عید تھا اور ہر شب شب برات

۱۴۹ ''تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔'' ریاست بہاول پور کے فرماں رواسر

محمد صادق عباسی کے سفرِ حج و زیارت کی روداد ہے جس سے وہ ۱۹۳۵ء میں بہرہ ور ہوئے۔ کتاب کے مصنف مولوی محمد عزیز الرحمٰن رحیم یار خاں کے ڈسٹرکٹ جج اور شاہی میوزیم کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ اُن دنوں فردوسیٔ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری بھی شاعرِ دربار کی حیثیت سے نواب موصوف سے وابستہ تھے۔ سفر نامہ کے راقم اور حفیظ جالندھری اس قافلے میں شامل تھے۔ مصنف مدینہ منورہ کے بارے میں یوں رقم طراز ہے۔

- ۱۱ر فروری ۱۹۳۵ء کو علی الصبح ہمارا قافلہ شہرِ نبویؐ میں داخل ہوا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی کسی نے زوردار آواز میں پکارا ''وہ مدینہ آ گیا۔'' اس مژدۂ جانفزا کے سننے کے لئے عرصے سے کان مشتاق، دل مضطرب اور طبیعت بے قرار تھی۔ یہ مبارک کلمہ سنتے ہی کئی ایک کی آنکھوں نے سیلابِ محبت بہانا شروع کر دیا۔ خدا جانے ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ دل سینوں میں اچھلنے لگے۔ کلیجوں میں سے بے ساختہ ایک ہوک سی اٹھی، رونگٹے کھڑے ہو گئے، بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا، پسینے چھوٹنے لگے، آنکھوں نے ٹپ ٹپ قطراتِ اشک گرانے شروع کر دیئے۔ اس پیارے شہر کی ایک ہی جھلک سے آنکھوں میں نور، دل میں سرور پیدا ہو گیا۔ یاد نہیں ہم نے وہ نظارہ خواب میں دیکھا یا فی الواقع عالم بیداری میں محویت طاری تھی۔ دل کی کیفیت ناقابل بیان تھی۔ خبر نہیں ہم اُس وقت کہاں تھے، خوشی کی ایک لہر آنکھوں کی راہ سے دل میں اتری جاتی تھی۔ پھر ہوش میں تسخیر پا کر دماغ پر چھا جاتی تھی۔ ہوش وحواس جسمِ خاکی کو وداع کہہ رہے تھے۔ فرطِ مسرت و انبساط کا یہ عالم تھا کہ روح تحلیل ہوتی جاتی تھی۔ بدن کے تمام بے تاب رگ و پے سوز و گداز کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ عقل گم تھی۔ کیف و وجدان کی وہ کیفیت کہ نہ زبان سے بیان ہو سکتی ہے، نہ قلم اسے ضبطِ تحریر میں لا سکتا ہے۔

- مبارک ہو، تمہاری محبتیں ٹھکانے لگیں، تمہاری دعائیں قبول ہوئیں، تمہاری دیرینہ آرزوئیں برآئیں۔ نخلِ تمنا بارآور ہوا۔ منزلِ مقصود قریب آ گئی۔ تم حرمِ نبویؐ میں آ گئے، تم حصارِ امن میں پہنچ گئے، تم رحمۃ للعالمینؐ کے دامانِ رحمت میں ہو، تم محبوبِ خدا کے مہمان ہو، تم آقائے دو جہاں کے پاک آستاں پر آ گئے ہو، تم نے اپنا مقصود حاصل کر لیا، دل کی مرادیں پالیں، دردِ دل کی دوا اور بیماریوں سے شفاءِ کامل پانا تم کو مبارک ہو۔ یہ وہ شہر ہے

جہاں آشفتہ سری کا علاج ہوتا ہے، وہ مقدس مقام ہے جہاں محبت کے دیوانے شفا پاتے ہیں۔ وہ پاک شہر رسولؐ اللہ کا مبارک وطن اور رشک فردوس مقام یہی ہے جس کی محبت تمہیں کشاں کشاں یہاں لے آئی ہے۔

۱۵۰ جناب ممتاز مفتیؒ اپنی کتاب ''لبیک'' میں لکھتے ہیں:

''ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے تو بھیڑ سے نکل کر ایک آدمی نے مجھے سلام کیا۔ وہ درمیانی عمر کا عرب تھا۔ میلے لباس پر جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ چہرے سے عسرت ٹپک رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ اسے کچھ دوں۔ چونکہ میرا خیال تھا کہ وہ بھکاری ہے۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

قدرت اللہ شہاب نے میرا بازو پکڑ لیا۔ کہنے لگے، ''جلد بازی نہ کیجئے۔''

''کچھ دینے میں حرج کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

شہاب مسکرا دیئے۔ بولے ''آپ اسے بھکاری سمجھتے ہیں کیا؟''

''تو اور کون ہو سکتا ہے بھلا؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ مدینہ منورہ سے واقف نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

• یہ بھکاریوں کا شہر نہیں درویشوں کا شہر ہے۔ ممکن ہے یہ شخص جسے آپ بھکاری سمجھ رہے ہیں درویش ہو۔ ایسا درویش جو آپ کو ہفت اقلیم کی بادشاہت بخش سکتا ہو۔ اس وقت دفعتاً مجھے خیال آیا کہ مکہ معظّمہ اور مدینۂ منورہ میں، میں نے کوئی بھکاری نہیں دیکھا تھا۔

''یہاں بھکاری نہیں ہوتے کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ بولے۔

''حاجت مند نہیں ہوتے؟''

''ہوتے ہیں۔'' وہ بولے۔ ''فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے ہاں حاجت مند غنی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ یہاں غنی حاجت مند کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہمارے ہاں حاجت مند ہاتھ پھیلاتے ہیں، یہاں دینے والے حاجت مند کی منت

Marfat.com

کرتے ہیں کہ میری پیشکش قبول فرما کر مجھ پر احسان کریں۔''

- وہ درویش جسے میں بھکاری سمجھا تھا میرے قریب آ گیا۔ اس نے میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بڑے پیار سے تھپکنے لگا۔ اس کی مسکراہٹ میں ''بخشم سمرقند و بخارا را'' کی واضح جھلک تھی۔

''مدینہ منورہ شہر سے کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ کوئی بھی واقف نہیں ہو سکتا۔ یہ شہر کسی کو نظر نہیں آتا۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا۔ چونکہ یہ شہر ایک عظیم مینار کے سائے میں چھپا ہوا ہے۔ جدھر بھی دیکھو، جدھر بھی نظر اٹھاؤ عظیم مینار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ تم جو سر اٹھا کر اس عظیم مینار کی بلندی کا جائزہ بھی نہیں لے سکتے، تم اس شہر کو کیا دیکھو گے؟''

- پچھلی مرتبہ مجھے یہاں ایک درویش ملا تھا، قدرت نے کہا، انہوں نے مجھے بتایا، کہنے لگے۔

''یہاں بڑے بڑے اولیاء، قطب اپنے میں اتنی ہمت نہیں پاتے کہ وہ سر اٹھا کر دیکھیں۔''

- قدرت مسکرانے لگے۔ وہ درویش سچ کہتے تھے:

''مدینہ منورہ کو آج تک کسی نے نہیں سمجھا۔ کسی نے نہیں جانا۔ یہاں جو بھی آتا ہے اس کی توجہ حضور ﷺ کی طرف لگی ہوتی ہے۔ سب کی نگاہیں حضور کی طرف اٹھی ہوتی ہیں۔ سب کے دل حضور کے لئے دھڑکتے ہیں۔ سب دلوں کا فوکس حضور پر مرکوز ہے۔ صرف حضورؐ فوکس میں ہیں۔ باقی سب کچھ دھندلا ہے۔ آؤٹ آف فوکس۔ حضور ﷺ ایک عظیم مینار ہیں اور یہ شہر اس مینار کا سایہ ہے۔''

۱۵۱ جناب مصطفیٰ خان شیفتہ اپنے سفرنامہ حج میں لکھتے ہیں کہ جب نظر خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبۂ اطہر پر پڑتی ہے تو دیدہ و دل کے لئے کیف و سرور کا ایک عجیب عالم ہوتا ہے اور اس حریم قدسی میں جو کیفیات ظاہر ہوتی ہیں ان کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو اس دربار میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ جو اس بقعہ مبارکہ میں آ گیا، واللہ موت

Marfat.com

سے پہلے جنت میں اس کا گزر ہو گیا۔ اگر یہ بات کہنے پر کوئی الجھے تو وہ تھوڑی سی زحمت کر کے "مابین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة" کے معنی پوچھ لے۔ یہاں پر حاضری کی جو نعمت اللہ نے عطا کی ہے۔ مدینہ منورہ جس پر ہر آن انوارِ الٰہی بارانِ بہار کی طرح برستے رہتے ہیں اس کے باشندے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی تاثیر سے نہایت متواضع اور مہمان نواز ہیں۔ مسجد نبوی کی حاضری کو غنیمت سمجھیں اور وقت کی قدر کریں۔ مسجدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کا یہ تقاضا ہے کہ جوتا بھی اندر لے کر نہ جائیں بلکہ دروازے کے باہر رکھی ہوئی الماریوں میں رکھیں۔

۱۵۲ درمختار وردالمختار میں ہے کہ محرم اگر حدودِ حرم مکہ کے اوپر یا حدود کے اندر سے نہیں گزر رہا تو پہلے مدینہ منورہ حاضری دے تو اچھا ہے تاکہ مسجد نبوی کی زیارت پہلے ہو جائے۔ جس کے متعلق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری مسجد کی اول حاضری ایسے ہو گی جیسے فرض نماز سے پہلے سنتیں۔ مسلم اور بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ اے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ آپ نے مکہ مکرمہ میں جو برکت رکھی ہے اس سے دوگنی مدینہ منورہ میں رکھ دیجئے۔

۱۵۳ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی عربی الفاظ کا ترجمہ اور مطلب جانتا ہو اور عربی الفاظ پڑھنے میں ذوق کامل پیدا بھی کر چکا ہو تو بے شک طویل الفاظ میں درود و سلام پیش کرے اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر طوطے کی طرح مزوّرین (زیارت کرانے والے معلّم) کے الفاظ دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے بہتر ہے کہ ایسا آدمی انتہائی ذوق وشوق اور نہایت سکون وطمانیت اور وقار سے آہستہ آہستہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھتا رہے جب تک سرور اور ذوق میں اضافہ پائیں انہی الفاظ یا کسی اور سلام کو بار بار پڑھتے رہیں۔

۱۵۴ مسجدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت اللہ شریف میں کسی انسان کے لئے کوئی امتیاز نہیں۔ شاہ وفقیر سب برابر ہیں۔ یہ عشق کا دربار ہے اور عشق کے دربار میں کسی ابوالفضل وفیضی کے لئے جگہ نہیں۔ فرق ہے تو صرف اللہ سے لَو لگانے والوں کے مراتب ومناقب میں

ہے، جہاں دولت وحکومت کے لئے کوئی اعزاز نہیں۔ اعزاز ان کے لئے ہیں جن کے سر اور جن کے دل اللہ کے حضور اس طرح جھکے رہتے ہیں کہ اوپری نگاہیں اور رسمی طبیعتیں ان تک پہنچ ہی نہیں پاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی لو میں مگن رہتا اور عشق و ایمان سے بقدر ظرف بہرہ یاب ہوتا ہے۔ حاضری میں یکسانیت ہے حضوری میں نہیں اور بقول:

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

۱۵۵ احادیث مبارکہ میں بھی بارگاہِ نبوت کی حاضری اور گنبدِ خضریٰ کے مکیں آقا ﷺ کی زیارت کو قیامت کے دن حصولِ شفاعتِ شفیع المذنبین کا موجب بتایا گیا ہے۔ چنانچہ شہرِ مدینۂ منورہ کے فضائل و خصائص، بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری، روضہ مقدسہ کی زیارت وفضیلت اور مسجد نبوی کی حاضری کے فیوض و برکات کے متعلق خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے ایک ایسی بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں پر غالب آ جائے گی، لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ تو مدینہ ہے لوگوں کو گناہوں سے اس طرح پاک وصاف کرے گی جیسے بھٹی لوہے کی میل کو صاف کرتی ہے۔ (بخاری و مسلم)
- الٰہی! بلاشبہ حضرت ابراہیم تیرے بندے، تیرے خلیل اور نبی ہیں اور بلاشبہ میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں، انہوں نے مکہ کے لئے تجھ سے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لئے تجھ سے دعا کرتا ہوں اسی طرح کی دعا جو مکہ کے لئے انہوں نے کی تھی اور مزید اتنی ہی دعا میں اور کرتا ہوں۔ (رواہ مسلم)
- ترمذی و ابن ماجہ میں حضور کا ارشاد ہے: جس سے ہو سکے کہ وہ مدینہ میں مرے تو وہ مدینہ میں ہی مرے کیونکہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اس کی (سب سے پہلے) شفاعت کروں گا۔
- حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرا جو اُمتی مدینہ منورہ کی تکلیف و

Marfat.com

مصیبت پر صبر کریگا قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (رواہ مسلم، عن ابی ہریرہ)

- دوسری روایت میں ہے: مدینہ منورہ لوگوں کیلئے خیر و برکت والا ہے اگر جانتے اور سمجھتے مدینہ منورہ کو جو شخص بوجہ اغراض چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اس شخص کو لائے گا جو اس سے بہتر ہوگا۔ مدینہ منورہ کی تکلیف و مشقت پر جو ثابت قدم رہیگا قیامت کے دن میں اسکی شفاعت کروں گا اور اسکے ایمان کی شہادت دوں گا۔ جو شخص اہلِ مدینۂ منورہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں سیسہ کی طرح پگھلائے گا۔ (بخاری و مسلم)

۱۵۶ مسجدِ نبوی وہ عظیم الشان اور عدیم المثال مسجد ہے جس کی تعمیر امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی اور اس کی عظمت و رفعت، اس میں عبادت کی فضیلت و برکت بھی خود زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس پابندی کے ساتھ ادا کیں کہ درمیان میں کوئی نماز اس مسجد میں نہ چھوٹے، تو اس کے لئے دوزخ کے عذاب اور نفاق سے آزادی و نجات لکھ دی جاتی ہے۔ (رواہ الطبرانی)

- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز، سوائے مسجد حرام کے باقی مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور میری اس مسجد میں ایک جمعہ سوائے مسجد حرام کے باقی مسجدوں کے ہزار جمعوں سے افضل ہے اور میری اس مسجد میں رمضان کا ایک مہینہ دوسری مساجد کے ہزار رمضان کے مہینوں سے افضل ہے سوائے مسجدِ حرام کے۔ (رواہ البیہقی)

- حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی سواری پر محض اس ارادہ سے سوار ہوا کہ میری مسجد میں نماز پڑھے اور پھر اس نے مسجد نبوی میں آکر نماز پڑھ لی تو اس کی یہ نماز ایک حج کے قائم مقام ہوگی۔ (زرقانی)

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ''میرے گھر اور میرے منبر کی درمیانی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔'' (بخاری و مسلم)

حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ حدیث اس طرح بھی ہے: ''میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' طبرانی میں اس طرح ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''میرے حجرے اور میرے مصلے کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' سب کا مطلب ایک ہی ہے کیونکہ حضور کا حجرہ مبارک اور حضور کی قبرِ انور ایک ہی جگہ ہے، جو حضور کا گھر ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مکان ہے جہاں اب حضور کا روضۂ پاک ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مصلیٰ (جائے نماز) بھی آپ کے منبر شریف کے متصل ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس حدیث کا حقیقی معنٰی ہی مراد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ مقدسہ اور منبر شریف کے درمیان کی یہ جگہ جنت کا باغ اور جنتی سرزمین ہے اور کل قیامت کے دن یہ مبارک خطہ جنت الفردوس میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ریاض الجنتہ کا یہ مبارک خطہ باقی زمین کی طرح فنا و برباد نہیں ہوگا۔ جس طرح حجرِ اسود اور مقام ابراہیم جنتی پتھر ہیں اسی طرح یہ بھی حقیقتاً جنتی سرزمین ہے، اور منبری علی حوضی کا معنٰی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منبر شریف کو اسی طرح جنت میں حوضِ کوثر پر نصب فرما دے گا۔ (مرقاۃ شرح، مشکوٰۃ)

۱۵۷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں بنو النجار کے یہاں ۱۲ ربیع الاول ۱ھ (ستمبر ۶۲۲ء) کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے نزول فرمایا تھا اور اسی وقت فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ یہیں منزل ہوگی۔ پھر آپ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو گئے تھے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی اور اس کے لئے وہی جگہ منتخب کی جہاں آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ اس زمین کے مالک دو یتیم بچے تھے۔ آپ نے ان سے یہ زمین قیمتاً خریدی اور بنفس نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک ہو گئے۔ آپ اینٹ اور پتھر ڈھوتے تھے۔ آپ کے اس طرز عمل سے

صحابۂ کرامؓ کے جوش و خروش اور سرگرمی میں بڑا اضافہ ہو جاتا تھا۔

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے بازو میں چند مکانات بھی تعمیر کئے جن کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں اور چھتیں کھجور کے تنوں کی کڑیاں دے کر کھجور کی شاخ اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ یہی آپ کی ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ ان حجروں کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد آپ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے یہیں منتقل ہو گئے۔
- کچی اینٹوں اور گارا کے در و دیوار پر مشتمل یہ انتہائی سادہ سی مسجد تھی، ابتداء میں اسکا طول ۵۴ ہاتھ اور عرض ۶۳ ہاتھ تھا اور اونچائی سات ہاتھ تھی۔ جس کا چھت کھجور کے تنوں اور پتوں کا تھا۔ مشرق و مغرب اور جنوب میں صرف ایک ایک دروازہ تھا۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا اس لئے محراب شمال میں (باب مجید کی طرف) تھی۔ سولہ یا سترہ ماہ بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منشا کے مطابق کعبہ کو قبلہ بنانے کا فرمان الٰہی نازل ہوا تو جنوبی دروازہ بند کر کے ادھر محراب بنا دیا، اور شمال کی سمت (باب مجید کی طرف) تیسرا دروازہ کھول دیا گیا۔
- اسلام کے عہد اولین میں سادگی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھی، جو ہر ایک کام میں آشکارا اور نمایاں نظر آتی تھی۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی جیسی عظیم المرتبت عبادت گاہ کی تعمیر میں بھی اس شعار کو قائم رکھا اور اس میں روشنی کرنے کا انداز بھی بڑا سادہ تھا۔
- ''صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کھجور کی شاخوں کی مشعل بنا کر لاتے اور مسجدِ نبوی شریف میں روشنی کرتے تھے۔ مدتوں یہی طریقہ رائج رہا۔ بعد ازاں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتح نامی ایک تجارت پیشہ غلام بیت المقدس سے زیتون کا تیل اور قندیل لایا۔ جسے مسجد میں روشن کیا گیا۔ جب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قندیل کی روشنی دیکھی اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کس کا کارنامہ ہے عرض کیا گیا کہ فتح نامی غلام یہ چیزیں بیت المقدس سے لایا ہے۔ اس پر آپؐ نے اس کا نام تبدیل کر کے سراج رکھ دیا۔ جس کے معنی چراغ جلانے والے کے ہیں۔
- سیدنا ابی ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف کے لئے ملک شام سے قندیلیں، تیل اور قندیلیں لگانے کے لئے زنجیر

Marfat.com

لائے تھے۔ پھر انہیں مسجد میں آویزاں کرایا اور شب جمعہ کو روشن کی گئیں جب رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو دیکھا کہ مسجد روشنی سے بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا یہ کس کا کارنامہ ہے؟

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انتظام تمیم الداری نے کیا ہے۔ آپ کی زبان حق ترجمانی سے گہرفشانی ہوئی۔

''تم نے مسجد اسلام کو منور کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں جہاں منور فرمائے۔ اور فرمایا اگر میری کوئی بیٹی باقی ہوتی تو اس خوشی میں تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیتا۔''

یہ سن کر حضرت نوفل بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں بیٹی ہے جس کا نام مغیر ہے اگر آپ اس کا نکاح تمیم الداری کے ساتھ کر دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ چنانچہ آپ نے مغیر سے ان کا نکاح کر دیا۔

- سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود خود بھی عنبر افشاں اور مشک بیز تھا اور آپ کی نفاست پسند طبیعت کو خوشبو بے حد مرغوب تھی جس کا استعمال بڑے اہتمام کے ساتھ فرماتے۔ بنابریں مساجد کو معطّر کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسجدیں بناؤ اور انہیں پاک وصاف اور معطر رکھو۔''

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:

مسجد کے دروازوں پر طہارت خانہ بناؤ اور مجمع میں خوشبو کی دھونی دیا کرو۔

- مسجد محض ادائے نماز ہی کے لئے نہ تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان اسلامی تعلیمات و ہدایات کا درس حاصل کرتے تھے اور ایک محفل تھی جس میں مدتوں جاہلی کشاکش ونفرت اور باہمی لڑائیوں سے دوچار رہنے والے قبائل کے افراد اب میل محبت سے مل جل رہے تھے۔ نیز یہ ایک مرکز تھا جہاں سے اس ننھی سی ریاست کا سارا نظام چلایا جاتا تھا اور مختلف قسم کی مہمیں بھیجی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس کی حیثیت ایک پارلیمنٹ کی بھی تھی

Marfat.com

جس میں مجلسِ شوریٰ اور مجلسِ انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔ ان سب کے ساتھ ساتھ یہ مسجد ہی ان فقراء مہاجرین کی ایک خاصی بڑی تعداد کا مسکن تھی جن کا وہاں پر نہ کوئی مکان تھا نہ مال اور نہ اہل وعیال۔ اسی مقصد کے لئے مسجد نبوی کے صحن کے شمال مشرقی گوشہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابِ صفہ کے لئے ایک چبوترہ بنوایا، اور اسی کے بالمقابل جنوب میں ایک چبوترہ سا ہے جس کے سمت قبلہ میں دیوار پر ''محراب تہجد'' لکھا ہے، یہاں حضور اکثر نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہ دونوں تاریخی یادگاریں آج تک محفوظ ہیں، جہاں زائرین حصولِ برکت کیلئے نوافل ادا کرتے ہیں۔ پھر فتح خیبر کے بعد سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴۶ ہاتھ لمبائی اور ۳۷ ہاتھ چوڑائی میں مسجد نبوی کی مزید توسیع فرمادی جس کے بعد مسجد نبوی کی وسعت مربع کی صورت اختیار کرگئی۔

- پھر امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت ۱۷ ہجری میں مسجد نبوی کی لمبائی میں ۴۰ ہاتھ اور چوڑائی میں ۲۰ ہاتھ کا اضافہ کیا اور تین اطراف میں مزید تین دروازوں کا اضافہ کرکے مسجد نبوی کے ۶ دروازے بنا دیئے۔ باب السلام، باب النساء، اور باب عمر نامی دروازے آپ ہی کی یادگار ہیں۔ لیکن آپ نے مسجد نبوی کی سادگی کو تعمیر نبوی کے مطابق ہی رکھا۔
- ۲۹ر ہجری میں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کی آرائش وتزئین فرمائی۔ پتھر کے ستون بنواکر ان پر نقش ونگار کروایا، اور قبلہ کی جانب مسجد نبوی کو موجودہ دیوار تک وسیع کردیا۔ اس دیوار میں ایک محراب بنوائی جو محراب عثمانی کے نام سے آج تک مشہور ہے قبلہ کی طرف مواجہ شریف سے باب السلام تک پیتل کی جالی اصل مسجد نبوی اور توسیع عثمانی کے درمیان حد فاصل ہے۔
- ۸۵ھ میں ولید بن عبدالملک اموی خلیفہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ والیٔ مدینہ کو حکم دیا کہ مسجد نبویؐ کو بڑھائیں اور امہات المومنین کے حجرے بھی اس میں شامل کرلیں۔ اہلِ مدینہ نے ہر چند واویلا کی کہ یہ حجرے بدستور قائم رکھے جائیں تاکہ اطرافِ عالم سے جو مسلمان زیارت کو آئیں وہ دیکھیں کہ ان کے نبیؐ نے کس سادگی کے ساتھ دنیا میں اپنی زندگی گزاری ہے

Marfat.com

لیکن کسی نے ان کی فریاد کو نہ سنا اور بجز حجرہ عائشہؓ کے تمام حجرے مسجد میں ملا لئے گئے۔

● حجرہ عائشہؓ کو جس میں رسول اللہؐ اور شیخین کی قبریں ہیں مسجد کا جز نہیں بنایا اور اس غرض سے کہ نماز میں وہ مصلیوں کے سامنے نہ پڑے ایک پنج گوشہ کج خطیرہ اس کے گرد کھینچ دیا۔ خطیرہ کی تعمیر کے وقت تینوں قبریں نمایاں ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سطح زمین کے برابر تھی اور شیخین کی قبریں کسی قدر مرتفع تھیں چونکہ ان کے اوپر چھت سے خس و خاشاک گرا تھا اور مٹی پڑی ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ارادہ کیا کہ اس کے جھاڑنے کی سعادت حاصل کریں، ان کو دیکھ کر قاسم بن محمد بن ابو بکرؒ نے بھی شرکت کے لئے اپنا دامن بڑھایا، امام زین العابدینؒ بھی تیار ہوئے اور سالم بن عبدالعزیز بن عمرؒ بھی اٹھے۔ ابن عبدالعزیزؒ نے دیکھا کہ اس مرقد پاک پر ہجوم ادب کے خلاف ہوگا اس لئے خود بھی بیٹھ گئے اور ان لوگوں کو بھی روک دیا اور اپنے خاص غلام مزاحم کو حکم دیا کہ اندر جا کر احتیاط سے صفائی کر دے لیکن ابن عبدالعزیز کو اپنی اس محرومی پر سخت افسوس رہا۔

● جب اس خطیرہ کی بنیادیں کھودیں جا رہی تھیں تو یکا یک دو پاؤں نمودار ہوئے۔ کھودنے والا جس کا نام وردان تھا دیکھ کر بے ادبی کے خطرے سے سہم گیا اور نکل کر الگ کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی گھبرا اٹھے۔ اس وقت وہاں عروہ بن زبیرؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ دونوں پاؤں حضرت عمرؓ کے ہیں جن کیلئے حجرہ کی دیوار کو کھود کر جگہ نکالی گئی تھی۔ پھر ان کو بدستور مٹی سے چھپا دیا۔ ہٹ کر دیوار بنوائی اور حسب سابق کوئی دروازہ نہیں رکھا کہ قبروں کو دیکھ سکیں۔ اس خطیرہ کی دیواریں مسجد تک نہ تھیں اور نہ اس پر کوئی چھت تھی، صرف ساگ کی لکڑی ڈال کر اوپر سے موم جامہ کا پردہ اوڑھا دیا گیا تھا۔

● ۱۶۱ ہجری میں مہدی عباسی نے مسجدِ نبوی کے صحن میں اضافہ کر کے بہت وسیع کر دیا۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ۲۰۲ ہجری میں مامون الرشید نے بھی مسجد نبوی کی وسعت میں اضافہ کیا تھا۔ البتہ مسجد نبوی کی مرمت اور تزئین و آرائش کا شرف متعدد اسلامی فرمانروا اپنے اپنے دور میں کرتے رہے ہیں۔

● جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۰۵۲ھ) کی تحریر

Marfat.com

کے مطابق موجودہ مسجد نبوی کا اگلا حصہ یعنی روضہ مبارکہ، گنبد خضریٰ اور مسجد نبوی کا قدیمی حصہ شاہ مصر کا تعمیر کردہ ہے۔ سلطان کے دور حکومت کے بعد دسویں صدی ہجری کے وسط میں سلطان سلیمان رومی نے روضۂ مبارکہ میں سنگ مرمر کا فرش لگایا جو تاحال موجود ہے۔

- ترکوں کے دور حکومت ۱۲۶۵ھ میں مشہور ترک فرماں روا سلطان عبدالمجید خاں عثمانی نے مسجد نبوی، روضہ مبارکہ اور گنبد خضریٰ کی تعمیر اور تزئین و آرائش کا ایسا لاجواب اہتمام کیا کہ آج ڈیڑھ صدی گزرنے کے باوجود اس کی آب وتاب بدستور قائم و باقی ہے مسجد نبوی کا اگلا حصہ، یا قدیم مسجد نبوی کی عمارت جو سرخ رنگ کے ستونوں اور سنہری جالیوں اور طلا کاری سے آراستہ و مزین اندرونی گنبدوں اور ان میں سنہری حروف سے کندہ آیات قرآنی و احادیث نبوی کے بے مثال خطاطی کے نمونوں، اور گلکاریوں کے خوشنما مناظر اس قدر پائیدار، پرکشش و جاذب قلب ونظر ہیں کہ موجودہ سعودی حکومت نے بھی ان کو جوں کا توں ہی رکھا۔ سلطان عبدالمجید خاں کی تعمیر وتوسیع کا یہ کام ۱۲۶۵ھ سے ۱۲۷۷ھ تک مکمل ہوا، اور آرائش و تزئین، نقاشی و خطاطی پر مزید تین سال کام ہوتا رہا۔ اس طرح اس نیک دل ترک فرمانروا کا یہ عظیم کارنامہ ۱۲۸۰ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

- پھر موجودہ سعودی حکومت نے تاحال کئی بار مسجد نبوی شریف کے تعمیری وتوسیعی منصوبوں سے مسجد نبوی کی وسعت میں اضافہ کیا ہے۔ مسجد نبوی کی موجودہ توسیعات میں سعودی حکومت کا یہ کارنامہ نہایت قابل قدر ہے کہ اس نے اصل مسجد نبوی اور اس کے ساتھ ملحق بعض تاریخی و مقدس مقامات یعنی محراب نبوی، ریاض الجنۃ، روضہ مبارکہ، گنبد خضریٰ، مقصورہ شریفہ، مواجہ منورہ، اصحاب صفہ کا چبوترہ، محراب تہجد اور دیگر تاریخی مقامات کو اسی طرح رکھا اور ان میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کیا۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک کی اصل مسجد کو سلاطینِ عثمانیہ کی تعمیرات کے مطابق رکھا اور اس کے تین اطراف مشرق، مغرب اور شمال میں عہد نبوی کے شہر مدینۂ منورہ کی بستی پر محیط مسجد کی عالی شان عمارت بنا دی ہے۔

- مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ توسیع کا کام خادمِ حرمین شریفین کے حکم سے ۱۹۸۵ء۔۸۶ سے شروع کروا دیا گیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مکمل ہو گیا ہے اور اب

Marfat.com

مسجد نبوی شریف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی مسجد سے تقریباً ۱۰۰ گنا سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی ہے اور اس زمانہ مبارک کے پورے مدینہ منورہ کو مسجد مبارک میں شامل کر لیا گیا ہے اور اس وقت تقریباً ۱۰ لاکھ نمازی بیک وقت حج اور رمضان المبارک کے موقع پر مسجد میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔

- موجودہ توسیع کا نقشہ مصر کے ڈاکٹر محمد کمال اسماعیل نے بنایا اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام ملحقہ عمارات کو مسجد میں شامل کرنے کے لئے بغیر دھماکے کے گرایا گیا۔ مسجد شریف میں ۲۳۱۲ محرابیں بنائی گئیں جو کہ فنِ تعمیر کا شاہکار ہے اور مسجد مبارک ۲۷ کھلے اور ۶۸ بند صحن پر مشتمل ہے۔ ۲۷ کھلے صحنوں کی چھتوں کو بٹن سے کھولا یا بند کیا جا سکتا ہے اور اس کے علاوہ ۶ نئے مینار تیار کئے گئے ہیں اور ہر مینار کی بلندی تقریباً ۱۰۴ میٹر ہے۔ مسجد کی سابقہ تعمیرات میں ۲ جگہ مسجد کے اندر چوکور صحن ہیں ان پر موجودہ توسیع میں سائے کے لئے خود بخود کھلنے والی چھتریاں لگا دی گئی ہیں جو کہ بٹن دبانے سے کھلتی اور بند ہو جاتی ہیں۔ پانی ٹھنڈا رکھنے کے لئے دنیا کا سب سے بڑا واٹر کولر لگایا گیا ہے تقریباً ۷ کلومیٹر تک سرنگ بنائی گئی ہے اور پائپ لائن کے ذریعہ ایک منٹ میں ۷۰۰۰ گیلن پانی مسجد نبوی کے تہہ خانوں میں گردش کرتا ہے اور ہوا کو ٹھنڈا رکھتا ہے۔
- سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک کی مسجد نبوی کہاں تک تھی، اس کا کتنا حصہ چھت والا تھا اور کتنا بغیر چھت کے تھا، یہ ساری تفصیلات ترکوں نے اپنے دورِ حکومت میں مسجد نبوی کے ستونوں کے ذریعہ واضح کر دی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر کردہ مسجد نبوی کا چھت والا جتنا حصہ تھا وہاں ایسے ستون بنائے ہیں جن پر سنہری دھاریاں بنا دی ہیں اور مسجد نبوی کا جو صحن تھا یعنی بغیر چھت کے جو حصہ تھا وہاں سادہ ستون ہیں۔ اسی طرح ریاض الجنتہ کا جتنا خطہ ہے اس کی حد بندی کرنے کیلئے وہاں کے ستونوں کا نیچے والا حصہ سفید رکھا ہے۔ آج کل اس مقدس خطہ پر قالین بھی قدرے مختلف رنگ کا ڈالا جاتا ہے تاکہ یہ حصہ دوسرے حصہ سے واضح اور ممتاز ہو جائے۔
- جنوبی سمت یعنی قبلہ کی طرف مواجہ شریفہ سے باب السلام تک جو سنہری جالی ہے

Marfat.com

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت کی مسجد کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسیعی حصہ سے الگ کرتی ہے۔ باب السلام کی طرف جنوباً شمالاً اصل مسجدِ نبوی کی جو آخری حد ہے وہاں ستونوں کی ایک قطار ہے اس کے ہر ستون پر سنہری لفظوں میں هذا حد مسجد النبی علیه السلام (یہ مسجد نبوی کی حد ہے) لکھا ہوا ہے۔

- یوں تو مسجدِ نبوی کا ہر حصہ اور ہر ذرّہ خیر و برکات اور انوار و تجلیاتِ ربانی کا مرکز و محور ہے مگر بعض مقامات ایسے بھی ہیں جن کی خیر و برکت کا زبان رسالت نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً ریاض الجنتہ، بیت رسول، مصلی رسول اور منبرِ رسول ،جن کی عظمتوں کو ''ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة'' (میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کا باغیچہ ہے) اور ''منبری علی حوضی'' (میرا منبر میرے حوض (کوثر) پر قائم ہے) کے ارشاداتِ نبویہ نے بیان کیا ہے، اسی طرح مسجد نبوی کے اس جنتی بقعہ مبارکہ کے بعض ستون بھی بڑی رحمتوں اور برکتوں کے حامل ہیں۔
- بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ''میں نے صحابۂ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے وقت مسجدِ نبوی کے ستونوں کے پاس نماز پڑھنے اور بیٹھنے کے لئے بہت جلدی کیا کرتے تھے۔''
- محدثین کرام لکھتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کا کوئی ستون ایسا نہیں جس کے پاس کسی صحابی نے نماز نہ پڑھی ہو۔ لہٰذا حسب موقع ان کے پاس نوافل پڑھنا اور دعائیں مانگنا مستحب ہے۔ یہ قبولیت کے خاص مقامات ہیں اور سب ستون ہی نہایت متبرک ہیں مگر جو زیادہ مشہور و قابلِ ذکر ستون مبارکہ ہیں وہ کل آٹھ اسطوانات مبارکہ ہیں جن کا مختصر بیان کیا جاتا ہے۔

ستونِ مخلقہ (حنانہ):

اس کو ستون حنانہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ستون محرابِ نبوی کے داہنی طرف محرابِ نبوی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ ابتداء میں اسی ستون مبارک کے ساتھ سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پشت مبارک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ کے لئے منبر شریف بنایا گیا

تو آپ نے اس پر تشریف فرما ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تو کھجور کا یہ سوکھا تنا بچوں کی طرح آپ کے فراق میں رونے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے نیچے تشریف لائے اور اس پر دستِ شفقت پھیرا تو اس کا رونا بند ہوا۔ (بخاری) ''جذب القلوب'' میں ہے: پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے اسی جگہ اس (تنے) کو دفن کر دیا گیا۔

ستونِ عائشہ:

طبرانی شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: میری اس مسجد میں اس ستون کے قریب ایک ایسا مقام ہے اگر میں وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت ظاہر کر دوں تو لوگوں کا اتنا ہجوم ہو جائے کہ وہاں نماز پڑھنے کے لئے قرعہ اندازی کیا کریں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ جگہ معلوم تھی اور انہوں نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ جگہ بتا دی تھی اور وہ اس ستون کی داہنی طرف نماز پڑھا کرتے تھے۔ اسی نسبت سے اس ستون کو ''ستونِ عائشہ'' کہتے ہیں۔

اسطوانہ ابولبابہ :

اس ستون کو اسطوانہ توبہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ستون عائشہ کے بائیں جانب ہے ایک صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی قصور ولغزش کی بنا پر اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ باندھ کر قسم کھائی تھی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے میں بندھا رہوں گا۔ چند روز بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان کو کھول دیا۔ نمازِ فجر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر اس ستون کے ساتھ تکیہ لگا کر تشریف فرما ہوتے اور آپ یہاں نفل نمازیں بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔

اسطوانہ سریر:

اس ستون کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور یہیں

Marfat.com

رات کو آپکا بستر مبارک (سریر) بچھایا جاتا تھا۔ یہ ستون مبارک روضہ مبارکہ کی جالی شریف سے ملا ہوا ہے۔ آدھا حصہ باہر نمایاں ہے اور آدھا حصہ جالی شریف کے اندر ہے۔

اسطوانہ حرس:

اس ستون کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کھڑے ہو کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاسبانی فرماتے اور حفاظتی پہرہ دیا کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اکثر اوقات اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر راتوں کو یہاں کھڑے ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاسبانی کی یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے اس لئے اس ستون کو اسطوانہ علی رضی اللہ عنہ بھی کہتے ہیں۔

اسطوانہ وفود:

اس ستون کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے آنے والی جماعتوں اور وفود کو شرف ملاقات بخشا کرتے تھے اور ان کو دعوت اسلام دیا کرتے اور احکام دین سکھایا کرتے تھے۔ اکابر صحابہ کرام بھی یہیں حضور کی خدمت و مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔

اسطوانہ جبرئیل:

یہ وہ مقام ہے جہاں اکثر حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اسی مقام پر ہر ماہ رمضان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن پاک کا دور فرمایا کرتے تھے اور اپنی حیاتِ ظاہری کے آخری ماہ رمضان میں اسی جگہ آپ نے دو بار قرآن حکیم کا حضرت جبریل کے ساتھ دور فرمایا تھا۔ یہ ستون اب روضہ مبارکہ کی چار دیواری کے بالکل اندر آ گیا ہے اس لئے باہر سے اس کی زیارت ممکن نہیں۔

اسطوانہ تہجد:

اس ستون کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہ

Marfat.com

ستون بھی روضۂ مقدسہ کی چار دیواری کے اندر ہے اس لئے اس کی زیارت بھی باہر سے ممکن نہیں۔ ہاں اس ستون کے قریب دیوار کے ساتھ ہی ایک محراب بنی ہوئی ہے جس پر ''محرابِ تہجد'' لکھا ہوا ہے۔ بابِ جبرئیل سے مسجدِ نبوی میں داخل ہوں تو اصحابِ صفہ کے چبوترہ کے بالکل سامنے قبلہ کی جانب یہ مقام ہے۔ ان آخری دوستونوں پر گنبدِ خضریٰ بنایا گیا ہے اور گنبدِ خضریٰ کی بنیاد ان ہی پر قائم ہے۔ ان آخری دوستونوں کی زیارت چونکہ اب ممکن نہیں، لہٰذا ان کے علاوہ باقی چھ ستونوں کے اسماء گرامی، ان ستونوں کے بالائی حصہ پر سنہری حروف کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔

روضۂ مقدسہ:

حضور ﷺ کا روضۂ مبارک مسجدِ نبویؐ کے آخری سرے پر جنوب کی طرف ہے۔ یہ سبز گنبد والا روضۂ اقدس جہاں واقع ہے، وہ قطعۂ زمین دنیا کا مقدس ترین قطعۂ زمین ہے۔ محدثین وفقہاء نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ روئے زمین کے تمام مقدس مقامات سے بڑھ کر رسول اللہؐ کی قبر مبارک کا مقام ہے۔ جس جگہ حضور کا جسدِ مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقدس مقام ہے۔ یہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ اور زندہ و تابندہ ہے۔ انسان یہاں پہنچ کر ایک عالم جذب سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ عاشقانِ رسولؐ یہاں پہنچ کر دنیا ومافیھا کو بھول جاتے ہیں اور ایک والہانہ جذب وشوق انہیں دنیا کی ہر چیز سے بے خبر کر دیتا ہے بس ایک ہی کیفیت ان کے حواس اور دل و دماغ پر اپنے پر پھیلا دیتی ہے اور وہ کیفیت ہے دنیا کی عظیم ترین شخصیت کے حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی کا احساس۔ اس احساس کے پیشِ نظر ساری دنیا، اُس کے تمام مقامات، اُس کے تمام مناظر، اس کی تمام شخصیات بے معنی نظر آنے لگتی ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ایک والہانہ جذب و شوق کا عالم ان سب کی نفی کر کے ان کو دل و دماغ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

- مسجدِ نبویؐ کا سارا حسن و جمال اس روضۂ اطہر واقدس کی وجہ سے ہے۔ وہ روضۂ

Marfat.com

اقدس جہاں حضورﷺ کا جسدِ مبارک آرام فرما ہے اور پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ساری زمین پر حضورؐ کے سجدوں اور قدموں کے نشانات ہیں۔ آپ کے سانسوں کی مہک ان میں آج بھی مشامِ جاں کو معطر رکھتی ہے۔ آپ کا جمالِ جہاں افروز جہاں صورت مہر نیم مدر آج بھی نظارۂ منور ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرۂ مبارک تھا۔ جہاں آنحضرتؐ نے خاصے عرصے تک قیام فرمایا اور جہاں آپ کا وصال بھی ہوا اور یہیں آپ کے مبارک جسدِ اطہر کو لحد میں اتارا گیا اور یہیں آپ کے مبارک قدموں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی آرام فرما ہیں۔ کسی زمانے میں حجرۂ عائشہؓ ایک کچی عمارت تھی لیکن اب اس پر روضۂ اطہر کی عمارت مستطیل شکل میں تعمیر کی گئی ہے۔ روضۂ مبارک کے آس پاس پیتل اور لوہے کی وہ جالی ہے جو ہر زمانے میں زائرین اور شعراء اور ادباء کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے اور جس کے حسن و جمال کی شان میں یہ سب رطب اللسان رہے ہیں۔ روضۂ اطہر کے آس پاس مضبوط چار دیواری ہے۔ اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ ہر لمحہ یہاں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجوم رہتا ہے اور درود و سلام کی نغمگی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ انسان اور فرشتے سب یہاں درود وسلام کا ورد کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' میں روضہ مبارکہ کا جو تاریخی پس منظر اپنے وقت تک بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

- روضۂ مبارکہ پہلے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا حجرہ تھا۔ آپ کا یہ گھر اور حجرہ مبارکہ بھی دیگر امہات المومنین کے گھروں کی طرح نہایت سادہ اور کچی اینٹوں سے بنا تھا۔ جس کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنی تھی، جب اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بحکم ربانی اس میں دفن کیا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے اسی مکان میں رہتی تھیں پھر زائرین کی بکثرت آمد و رفت کی وجہ سے آپ نے اپنی رہائش اور قبرِ انور کے درمیان میں ایک دیوار بنوا کر حجرہ مبارکہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

• جب ۱۳ھ میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو آپ کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو اقدس میں دفن کیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نقاب اوڑھے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ پر حاضری دیتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ ایک میرے شوہر گرامی ہیں اور دوسرے میرے والد ماجد، لہٰذا ان سے پردہ کیسا! مگر جب ۲۳ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ کو بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے اسی حجرہ مبارکہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا تو اب آپ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریفہ کی زیارت کو تشریف لاتیں تو نقاب اوڑھ کر پردہ کے پورے اہتمام کے ساتھ آتی تھیں اور فرماتیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پردہ کی وجہ سے نقاب اوڑھتی ہوں۔

قبورِ مبارکہ:

یہ حجرۂ مبارکہ جو تین قبورِ مبارک پر مشتمل ہے اس میں سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو اقدس میں دوسری دو قبروں کی ترتیب اس طرح ہے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے مقابل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا سر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینہ کے مقابل ہے۔ اس حجرۂ مبارک میں ایک قبر کی جگہ ابھی خالی ہے۔ جہاں ارشاد نبوی کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائیں گے اور ایک معین عرصہ دنیا میں قیام فرما کر جب وصال فرمائیں گے تو اس جگہ دفن ہونگے۔ اس طرح تینوں مزارات شریفہ، اور حجرہ مبارکہ اس باہر والی دوسری پنج گوشہ عمارت کے اندر محفوظ ہیں اور یہ دونوں عمارات مقدسہ مقصورہ شریف کی چار دیواری کے اندر محفوظ ہیں۔

• جذب القلوب کی تحقیق کے مطابق ان دونوں عمارات میں سے کسی میں بھی دروازہ نہیں رکھا گیا۔ ہاں بالائی جانب چھت کے قریب ایک روشندان چھوڑا گیا ہے۔ اس تعمیر کے بعد سے آج تک ان قبور شریفہ کے حجرہ میں داخلہ ناممکن ہے۔ روایت میں

Marfat.com

ہے کہ ۵۴۸ھ ہجری میں حجرہ شریفہ کی صفائی کی خاطر ایک نہایت ہی متقی و پارسا آدمی کو اس روشن دان سے اندر اتارا گیا جس نے اپنی ریش مبارکہ سے آستانہ شریفہ کی صفائی کا فریضہ انجام دیا۔ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد پھر روضہ کے اندر سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔ مدینہ کا امیر قاسم بن مہنی حسنی تھا اس نے کہا کہ کوئی بزرگ تلاش کرو تو میں اس کو اندر جانے کی اجازت دوں۔ اس زمانے میں صوفیہ کے شیخ الشیوخ موصل کے عمر نسائی تھے جنہوں نے مجاورت رسول کی غرض سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ لوگوں نے انہی کو منتخب کیا۔ مگر سلسل البول اور ریاح کے عارضے کی وجہ سے انہوں نے انکار کیا کہ کہیں روضہ شریف کی بے ادبی نہ ہو جائے۔ لیکن لوگوں کے سخت اصرار کی وجہ سے ان کو راضی ہونا پڑا۔ اس کے بعد مسجد کی چھت کے متصل جو روشن دان ہے اس سے لٹکائے گئے۔ حجرے کے اندر جا کر انہوں نے شمع جلائی، گرے ہوئے حصہ کی مرمت کی اور قبروں پر جو گرد پڑی ہوئی تھی اس کو اپنی داڑھی سے جھاڑا۔

- ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ چھٹی صدی کے وسط میں حجرہ شریفہ میں اندر کی جانب دیوار کا ایک حصہ ٹوٹ گیا اور اس کے گرنے کی آواز باہر آئی خلیفہ بغداد کو اطلاع دی گئی اس نے علماء و فقہاء سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی متقی صالح مسجد کی اوپر کی کھڑکی سے حجرے کے اندر اتارا جائے تاکہ جو کچھ ٹوٹا ہوا اس کو درست کر دے۔ اس زمانہ میں خاندان عباسی میں بدر خفیف نامی ایک عابد و زاہد شخص تھے وہ اندر اتارے گئے۔ چند اینٹیں گری تھیں جن کی مرمت کی گئی۔ حجرے کے اندر گارا ڈھونے کا ایک گھڑا جو پہلی تعمیر کے وقت کا پڑا ہوا تھا اس میں وہاں کی خاک پاک بھر کر بطور تحفہ خلیفہ بغداد کے لئے روانہ کی گئی۔ جس روز یہ خاکِ پاک بغداد پہنچی اُس کے استقبال کیلئے خلیفہ و امراء سے لے کر عام مخلوق کا اس قدر اژدھام تھا کہ کبھی اس سے پہلے دیکھا نہ گیا۔ شہر کے تمام کاروبار اس روز بند ہو گئے۔

جالی مبارک:

جمال الدین اصفہانی نے روضہ شریفہ کے چاروں طرف صندل کی جالی بنائی۔

خلیفہ مستنصر باللہ کی اجازت سے شاہ مصر کے وزیر حسین ابی الہیجا نے سفید ریشمی غلاف بنوا کر حجرہ شریف کو پہنایا جس پر سرخ ریشمی پھول بنے تھے اور اس پر سورۃ یٰسین لکھی تھی۔ اس دن سے آج تک سلاطین اسلام کا ابتدائے سال میں ایک ریشمی غلاف حجرہ شریفہ پر پہنانے کا دستور آ رہا ہے۔ تاریخ معالم المدینہ المنورہ کی تصریح کے مطابق حجرہ شریفہ کو غلاف سب سے پہلے خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ نے پہنایا۔

گنبدِ خضریٰ (سبز گنبد):

اس وقت روضۂ مبارکہ پر گنبد شریف کی بلندی مسجد نبوی کے چھت سے تقریباً تین فٹ تک تھی۔ رومی سلطان کے دور حکومت میں تانبے کی جالیوں سے حجرہ شریفہ کے اوپر، مسجد نبوی کی چھت سے کافی اونچا پہلا گنبد بنایا گیا۔ پھر شاہِ مصر نے حجرہ شریفہ کو محیط دوسری پنج گوشہ عمارت کے اوپر ایک دوسرا گنبد پہلے گنبد پر بنوایا پھر سلطان محمود خاں عثمانی نے اس گنبد کو ازسرنو بنوایا اور اس پر نہایت گہرا سبز رنگ کروایا جس کی وجہ سے اس کا نام اس دن سے گنبد خضریٰ (قبہ خضریٰ) اور سبز گنبد مشہور ہو گیا۔

مقصورہ شریف:

نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ اور حجرۂ مبارکہ کو محیط چاروں طرف پیتل کی جالیوں اور مقفل دروازوں پر مشتمل دیواروں کی مضبوط و عالی شان عمارت کو ''مقصورہ'' کہتے ہیں۔ اسی عمارت میں حجرہ شریفہ کے شمال کی طرف (محرابِ تہجد کی جانب) سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رہائشی مکان تھا۔

مواجہ شریف:

مقصورہ شریف کے جنوب یعنی قبلہ کی جانب والی دیوار کو ''مواجہ شریف'' کہتے ہیں۔ یہیں کھڑے ہو کر دست بستہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں دو ستونوں کے درمیان تینوں مزارات مبارکہ کے بالمقابل تین پیتل کے سوراخ نما روشن دان ہیں جو علی الترتیب مزارات شریفہ کے رخ پر انوار

Marfat.com

کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی ہے جو ہر وقت مقفل اور بند رہتی ہے ۔ پہلا بڑا سوراخ جو ستون کے متصل ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ پاک کے سامنے ہے۔ اس کے بعد داہنی طرف دوسرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تیسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرۂ پاک کے سامنے ہے اور اسی ترتیب سے مواجہ شریف میں دست بستہ کھڑے ہوکر پہلے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام عرض کیا جاتا ہے۔ پھر ذرا دائیں ہٹ کر دوسرے سوراخ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ، پھر ذرا دائیں ہٹ کر تیسرے سوراخ کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کیا جاتا ہے۔

- روضہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریفہ کی جالیوں پر کندہ

نعتیہ اشعار

یاخیر من دفنت فی الترب اعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنهٗ
فیه العفاف و فیه الجود والکرم

ترجمہ

اے بہتر ان سب سے جن کے اجسام شریفہ خاک میں مدفون ہوئے
اور ان کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں
میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپ سکونت فرما ہیں
اس قبر شریف میں پرہیزگاری ہے اور اسی میں جود اور کرم ہے

۱۵۸ ہم لوگوں کی یہ کوتاہی قسمت ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کا روئے زیبا ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ ہم عالم واقعہ میں سر کی آنکھوں سے زیارت کا شرف حاصل کر

Marfat.com

سکتے ہیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی جو کچھ بھی جھلک پا سکتے ہیں وہ حضور کے پیغام اور کارنامے کے آئینے میں ہی ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں نے پردہ الفاظ میں آپ کی شبیہ مبارک کو جس طرح مرتب کیا ہے اور اسے محفوظ حالت میں ہم تک پہنچایا ہے یہ گویا کم از کم ایک تعارف اور ملاقات ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ کیا کسی نے خوب کہا ہے۔

فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم
بقائے اللہ تعالیٰ اور دوامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۱۵۹ آیئے اب اس آفتاب حق صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ جھلکیاں دیکھیں جن کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہی چہروں کو روشن کرتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی نعت میں اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کو ساری کائنات میں بزرگ اور ممتاز قرار دیا ہے یعنی بعد از خدا بزرگ توی قصہ مختصر اور حفیظ جالندھری نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

تیری صورت، تیری سیرت، تیرا نقشہ، تیرا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

۱۶۰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ مبارکہ کے جو مرقعے الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ آیئے اس قوم خزاعہ کی اس نیک بوڑھیا یعنی اُم معبدؓ نے جو تصویر اپنے دماغ میں مرتب کی ہے۔ اس پر نظر ڈالیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع پر اس کے خیمہ میں ٹھہرے جب کہ آپ اور آپ کے ہمراہی پیاسے تھے۔ فیضان خاص تھا کہ مریل سی بھوکی بکری نے وافر مقدار میں دودھ دیا۔ حضور نے بھی پیا۔ آپ کے ہمرائیوں نے بھی پیا اور جو کچھ بچ رہا وہ اُم معبدؓ کے شوہر نے گھر آ کر دودھ دیکھا اور پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے سارا حال بیان کیا اور پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ کچھ اس طرح بیان کیا:

Marfat.com

''پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ پیٹ باہر نکلا ہوا، نہ سر کے بال گرے ہوئے، زیبا صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک سرگیں چشم، باریک و پیوستہ آبرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ گویا دلبستگی لئے ہوئے۔ دور سے دیکھنے میں رسیدہ و دلفریب قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی و الفاظ سے مبرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد، زہندہ نہال کی تازہ شاخ، زہندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہروقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں۔ جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم مطاع نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔''

- حضرت علیؓ کے الفاظ میں ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بل کھاتے ہوئے تھے، چہرہ مبارک گول اور رنگ سفید و سرخ تھا۔ آنکھیں سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔ چلنے کے لئے قدم اٹھاتے تو قوت کے ساتھ جیسے بلندی سے نیچے اتر رہے ہوں، جو آپ کو پہلے پہل دیکھتا مبہوت رہ جاتا، جو پاس بیٹھتا محبت کرتا۔'' حضرت ربیع بن معوذؓ کے الفاظ میں ''آپ کا چہرہ یوں تھا جیسے آفتاب نکلا ہوا ہو (سراجاً منیراً) حضرت جابرؓ بن سمرۃ کا بیان ہے ''چاندنی رات تھی اور حضور لیٹے ہوئے تھے کبھی میں چودھویں کے چاند کو دیکھتا، کبھی آپ کے رخِ مبارک کو۔ واللہ! حضور کا رخ مبارک چاند سے زیادہ حسین تھا۔'' قوائے بدن میں بھرپور اعتدال تھا اور پسینہ مبارک سے خوشبو آتی تھی۔
- خالق نے آپ کو صاحبِ خُلقِ عظیم فرمایا۔ آپ نے خود فرمایا کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں گویا حضور کا خلق عظیم اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کا نادر شاہکار ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، آپ سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ، بات کے سچے، طبیعت کے نرم اور برتاؤ میں کریم تھے۔

Marfat.com

● سرسید احمد خانؒ (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) نے بھی ''جلاء القلوب'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک بڑے سادہ اور مؤثر الفاظ میں بیان کیا ہے۔ درج ذیل عبارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا نگاری ملاحظہ فرمائیے۔

''جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوبصورت اور حسین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میانہ قد تھا، سرخ و سفید رنگت تھی اور آپ کا سینۂ مبارک چوڑا تھا اور آپ کے دونوں شانوں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا اور آپ کے موئے مبارک کان کی لو تک پہنچتے تھے اور آپ کے سر اور داڑھی مبارک میں کچھ بال سفید تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک چودھویں تاریخ کے چاند سے بھی زیادہ روشن تھا اور آپ کا بدن متوسط تھا۔ نہ بہت موٹا، نہ بہت دبلا، اگر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے تو بہت ہیبت اور شان و شوکت معلوم ہوتی تھی اور اگر آپ بات کہتے تو لطافت اور تازگی ظاہر ہوتی تھی۔ اگر کوئی آپ کو دور سے دیکھتا تو کمال حسن و جمال نظر آتا تھا اور اگر پاس سے دیکھتا تھا تو ملاحت اور شیرینی معلوم ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کی باتیں بہت میٹھی میٹھی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ پیشانی تھے اور باریک اور لمبی بھنویں تھیں اور دونوں بھنوؤں میں کچھ فاصلہ بھی تھا، اونچی بہت خوبصورت ناک تھی، دہانہ کشادہ تھا اور بہت خوبصورت، دانت بہت روشن اور صاف، موتی سے بہتر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے بیچ مہر نبوت تھی۔''

● حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے قاضی بدرالدولہ (۱۲۱۱ھ۔ ۱۲۸۰ھ) اپنی کتاب فوائد بدریہ میں یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آنکھیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تھیں اور ان میں سرخی تھی اور حدقہ یعنی آنکھ کی پتلی

Marfat.com

بہت سیاہ تھا، اور ابن ابی ہالہ کہتے ہیں جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو پورا دیکھتے اور آنکھیں نیچے کرتے اور زمین کی طرف دیکھنا بہت تھا۔ آسمان کی طرف دیکھتے کم اور اکثر گوشۂ چشم سے ملاحظہ فرماتے......'' علی مرتضیٰ اور ابن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ بینی مبارک (ناک) ہموار، باریک اور بیچا بیچ بلند تھی...... منہ کا مہر بہت ہی خوش ڈول اور لطیف تھا، گویا یاقوت کی ڈبیا میں جواہر ہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دہن شریف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشادہ تھا.......... اکثر احوال میں حضرت تبسم کیا کرتے تھے اور بعضے اوقات میں بہت ہنسے تو کونچلیاں نمود ہوتے اور کبھی قہقہہ کی صورت میں نہیں ہنسے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے میں مسوڑھے نہیں دیکھے اور ابن ابی ہالہ کہتے ہیں۔ اکثر ہنسنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم تھا اور قرآن پڑھتے وقت آنکھوں سے اشک جاری ہوتے۔''

۱۶۱ حاصل یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے نظیر صفاتِ کمال سے آراستہ تھے۔ آپ کے رب نے آپ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتیٰ کہ اس نے خود آپ کی تعریف میں فرمایا:

''یقیناً آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔'' (سورۃ قلم، آیت ۴) اور یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کی طرف کھنچ آئے، دلوں میں آپ کی محبت بیٹھ گئی اور آپ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ لوگ آپ پر فریفتہ ہو گئے۔ ان ہی خوبیوں کے سبب آپ کی قوم کی اکڑ اور سختی نرمی میں تبدیل ہوئی یہاں تک کہ یہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئی۔

۱۶۲ یاد رہے کہ ہم نے پچھلے صفحات میں آپ کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہ آپ کے کمال اور عظیم صفات کے مظاہر کی چند چھوٹی چھوٹی لکیریں ہیں ورنہ آپ کے مجد و شرف

Marfat.com

اور شمائل و خصائل کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کی حقیقت اور تہہ تک نہ رسائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی ناپی جا سکتی ہے۔ بھلا عالمِ وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منوّر رہا کہ کتاب الٰہی کو اس کا وصف اور خُلق قرار دیا گیا یعنی ؎

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

Marfat.com

محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیدہ آمنہ	حضرت سیدنا عبداللہ
حضرت وہب	حضرت عبدالمطلب
حضرت عبد مناف	حضرت ہاشم
حضرت زہرہ	حضرت عبد مناف
	حضرت قصی

حضرت کلاب

دونوں سلاسل حضرت کلاب پر جا ملتے ہیں۔ کلاب کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں عبد مناف اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے سلسلۂ نسب کے عبد مناف دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر نسب نامہ مبارک

(ہر دو "اسماء" بھی شمار میں داخل ہیں۔)

	پشت
حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک	۱۰
حضرت سام بن نوح سے حضرت ابراھیم خلیل الرحمن تک	۹
حضرت اسماعیل بن ابراہیم سے حضرت اُوَدْ تک	۴۰
حضرت عدنان بن اُوَدْ سے حضرت عبداللہ تک	۴۱
میزان	۱۰۰

Marfat.com

شجرۂ مبارک

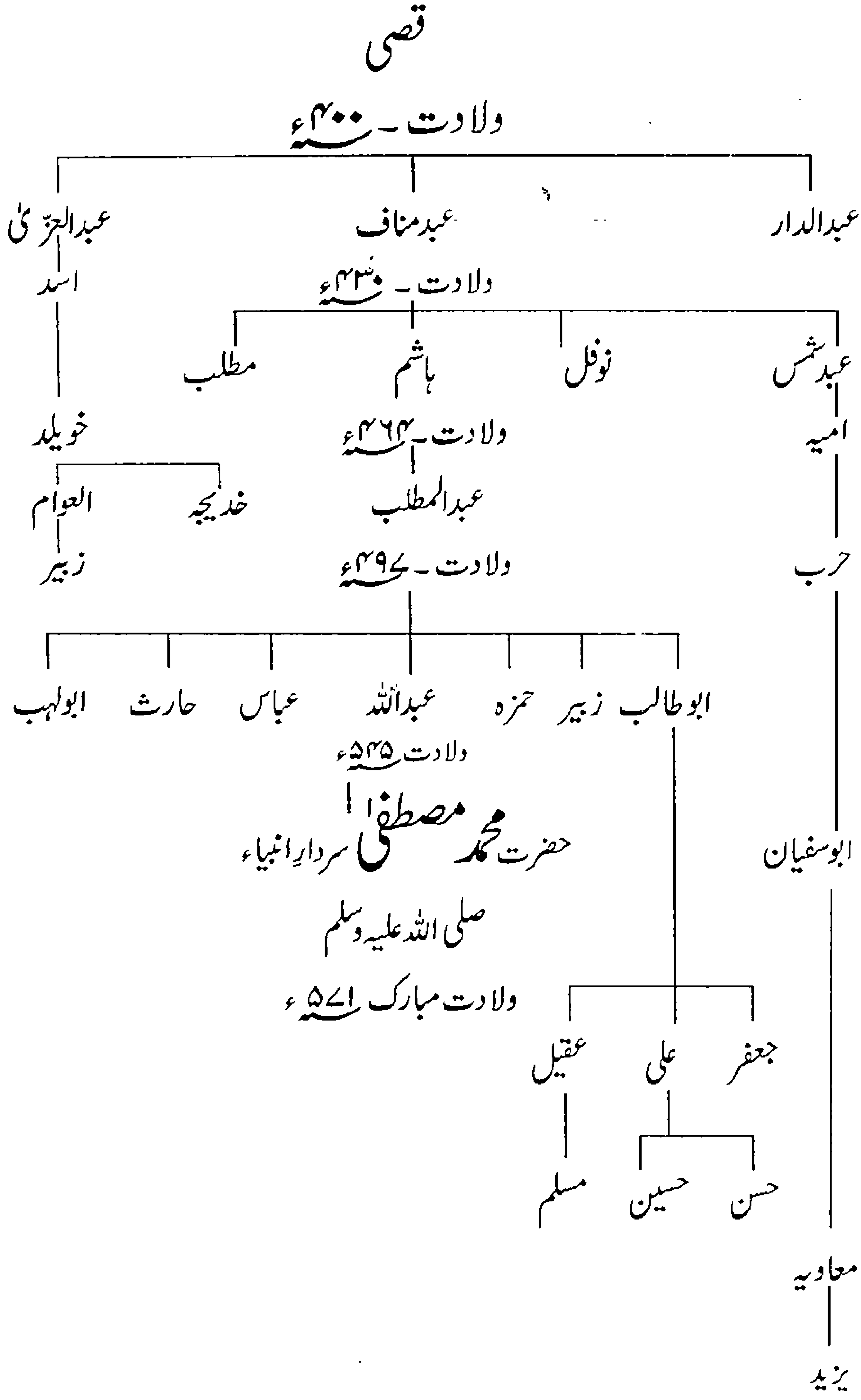

Marfat.com

حیاتِ طیبہ

(عیسوی کیلنڈر کے حساب سے)

632 - 571

مکی زندگی مبارک:

واقعات مبارکہ	تاریخ	عمر مبارک
ظہورِ قدسی	20 اپریل 571	
حضرت حلیمہ سعدیہ کی آغوش میں	27 اپریل 571	7 دن
واپس آغوش مادر میں	576	5 سال
والدہ ماجدہ کا انتقال	577	6 سال
حضرت عبدالمطلب کا انتقال	30 جون 579	8 سال 2 ماہ اور 9 دن
شام کا پہلا تجارتی سفر	30 جون 583	12 سال دو ماہ اور 9 دن
محنت اور جفاکشی کی زندگی	587 تا 594	16 تا 23 سال
اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح	جون 595	24 سال اور 2 مہینے
اہلِ مکہ کی طرف سے ''الامین'' کا خطاب	601	30 سال
ولادتِ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ	605	34 سال
غارِ حرا کا قیام	606 تا 610	35 تا 39 سال
نبوت و رسالت کا طلوعِ آفتاب اور نزولِ قرآن	10 اگست 610	39 سال اور 4 مہینے
قریش میں دعوتِ اسلام کا آغاز	610 تا 612	39 تا 41 سال
(حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور بہت سے اہل مکہ کا قبولِ اسلام)		

Marfat.com

کوہِ صفا پر دعوتِ اسلام	613	42 سال
صحابۂ کرام کی ہجرت حبشہ	4 اپریل 614	43 سال
حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا قبولِ اسلام	616	45 سال
شعب ابی طالب میں محصوری	10 اپریل 617	46 سال
شعب ابی طالب سے رہائی		
حضرت ابو طالب اور اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا وصال اور طائف کا سفر	620	48 تا 49 سال
واقعۂ معراج شریف	621	50 سال
رسالت مآب کی ہجرتِ مدینہ منورہ	12 ستمبر 622	51 سال اور 5 مہینے
مکہ مکرمہ سے غارِ ثور تک	12 تا 14 ستمبر 622	51 سال اور 5 مہینے
غارِ ثور سے روانگی	14 ستمبر 622	51 سال اور 5 مہینے
قبا میں تشریف آوری	22 ستمبر 622	51 سال اور 5 مہینے
تعمیرِ مسجد قباء اور پہلی نمازِ جمعۃ المبارک	23 تا 27 ستمبر 622	51 سال اور 5 مہینے

مدنی زندگی مبارک:

واقعاتِ مبارکہ	تاریخ	عمر مبارک
آمدِ مدینہ منورہ	27 ستمبر 622	51 سال اور 5 مہینے
تعمیرِ مسجدِ نبوی	اکتوبر 622	51 سال اور 6 مہینے
تحویلِ قبلہ	18 جنوری 624	52 سال اور 9 مہینے
غزوۂ بدر	18 فروری 624	52 سال اور 10 مہینے
پہلی نمازِ عید الفطر	اپریل 624	53 سال
سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی شادی	624	53 سال

Marfat.com

پہلی نمازِ عید الاضحیٰ	جون 624	53 سال 2 مہینے
غزوۂ احد	13 مارچ 625	53 سال 11 مہینے
شیرِ خدا حضرت حمزہ کی شہادت	14 مارچ 625	53 سال 11 مہینے
غزوۂ خندق	مارچ، اپریل 627	56 سال
صلح حدیبیہ	مارچ 628	57 سال
غزوۂ خیبر	مئی 628	57 سال ایک ماہ
ادائیگی عمرہ	اپریل 629	58 سال
فتحِ مکہ	جنوری 630	58 سال 9 ماہ
غزوۂ حنین	فروری 630	58 سال 10 ماہ
غزوۂ تبوک	اکتوبر 630	59 سال 6 ماہ
فرضیتِ حج	مارچ 631	59 سال 11 ماہ
رسالت مآب کا سفرِ حج	22 فروری 632	60 سال 10 ماہ
مکہ مکرمہ میں آمد	یکم مارچ 632	60 سال 11 ماہ
خطبۂ حجۃ الوداع	6 مارچ 632	60 سال 11 ماہ
حج سے واپسی	10 مارچ 632	60 سال 11 ماہ
وصال مبارک	8 جون 632	61 سال 1 ماہ 18 دن

Marfat.com

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطاکار سے در گزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

مسدس حالی سے انتخاب

Marfat.com

در دلِ مُسلم مَقامِ مُصطفیٰ ﷺ است
آبرُوئے ما ز نامِ مُصطفیٰ ﷺ است

ربِّ عظیم کا بندۂ عظیم

رسولِ اعظم ﷺ

مُرتّب • صدیق حسن ملک

Marfat.com